POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 03-04 August 2026, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان

اشاعت کا 87واں سال

Date of Publication: 02-08-2026 • Price: 5/- • 8-14 August 2026 • Issue: 30 • Vol:85

۸تا۱۴/اگست ۲۰۲۶ء • شمارہ:۳۰ • جلد:۸۵

لفظِ 'اِسکول' کا املا اور تلفظ: اردو میں سکونِ اوّل کا مسئلہ

رؤف پاریکھ

مشتاق احمد یوسفی صاحب نے تو یہ بات محض ازراہِ تفنن لکھی ہے کہ اِسٹول یا سَٹول (stool) کی ایجاد کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس کے تلفظ پر پنجابی اور غیر پنجابی ایک دوسرے پر ہنس سکیں، لیکن یہ محض تفنّن کی بات نہیں بلکہ ایک علمی اور لسانیاتی مسئلہ بھی ہے۔ یہ کسی لفظ کے پہلے حرف کے ساکن ہونے کا مسئلہ ہے اور سکونِ اول کا مسئلہ کہلاتا ہے۔ اس مسئلے کی جڑ صوتیات (Phonetics) میں ہے اور جو لوگ صوتیات سے واقف نہیں ہیں انھیں اس مسئلے کو سمجھے بغیر اس پر اظہارِ خیال نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اس طرح نہ صرف وہ غلط نتائج اخذ کرتے ہیں بلکہ پڑھنے والوں کو بھی گم راہ کرتے ہیں (جیسا کہ 'اخبارِ اردو' کے ایک حالیہ شمارے میں ہوا ہے)۔

اس طرح کے الفاظ (جو اردو میں بالعموم انگریزی یا دیگر یورپی زبانوں سے مستعار یعنی loan words ہیں اور جن کا پہلا حرف ساکن ہوتا ہے) کے تلفظ میں مسئلہ تو بہرحال درپیش ہوتا ہے کیوں کہ اردو میں کسی لفظ کا پہلا حرف ساکن نہیں ہوتا اور اردو والوں کو اس کے تلفظ میں دشواری ہوتی ہے۔ اسٹول/ سٹول کے علاوہ اس طرح کے الفاظ میں اسکول/سکول، اسٹیشن/سٹیشن، اسٹارٹ/ سٹارٹ، اسپیشل/سپیشل، اسکیل/ سکیل، اسمارٹ/ سمارٹ، اسٹوڈنٹ/ سٹوڈنٹ، اسمگلر/سمگلر اور دیگر کئی الفاظ شامل ہیں۔ اس مسئلے کو 'سکونِ اول کا مسئلہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس پر سہیل بخاری بہت عمدہ انداز میں اظہارِ خیال بھی کر چکے ہیں[1]، لیکن اب بھی کچھ لوگ اسے علاقائی بنیادوں پر دیکھتے ہیں اور ان الفاظ کے مختلف تلفظ کو صوتیاتی پس منظر سے واقف ہوئے بغیر یک سر غلط قرار دے دیتے ہیں۔ اس مسئلے کو لسانی تکبر اور علاقائی تعصب کی بجائے اصولاً لسانیات اور صوتیات کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے۔

ہم کوشش کریں گے کہ اس مقالے میں یہ دیکھیں کہ یوسفی صاحب کے ذکر کردہ اس لفظ کو اِسٹول (یعنی الف مکسور کے ساتھ) یا سَٹول (یعنی سین مفتوح کے ساتھ) یاسِٹول (یعنی سین مکسور کے ساتھ) کیوں بولا جاتا ہے اور تینوں تلفظ گو انگریزی کے لحاظ سے تو غلط ہیں لیکن اردو میں تینوں کیوں صحیح ہیں نیز یہ کہ اس طرح کے تلفظ کو کیوں استہزا کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔ اسی ذیل میں لفظ 'اسکول' کا تلفظ بھی آ جاتا ہے۔ اس کے لیے ہمیں اردو کے صوت رکنوں یعنی syllables کی ساخت اور ان میں ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لینا ہوگا۔

☆ صوت رکن (syllable)

صوت رکن یا سلیبل (syllable) کے وجود پر تو ماہرینِ لسانیات متفق ہیں لیکن اس پر اتفاق نہیں ہے کہ صوت رکن ہے کیا[2]۔ کیوں کہ آج تک کوئی ایسی جامع و مانع تعریف پیش نہیں کی جاسکی جس پر سب متفق ہوسکیں[3]۔ صوت رکن کی کوئی متفقہ تعریف نہ ہونے کے باوجود کسی زبان کے بولنے والے یہ بتا سکتے ہیں کہ اس زبان کے کسی لفظ کا صوت رکنی ڈھانچا کیا ہے یا اس میں کتنے صوت رکن ہیں[4]۔ یوں تو صوت رکن کی کچھ تعریفیں متعین کی بھی گئی ہیں اور صوتیات میں کئی ایسے شعبے ہیں جہاں مباحث میں صوت رکن کی اصطلاح کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے لیکن ان سب مواقع پر کسی ایک تعریف کا مکمل اطلاق نہیں ہوسکتا اور، جیسا کہ ہوگن (Haugen) نے آج سے کوئی ساٹھ سال پہلے کہا تھا، صوت رکن لسانیاتی تشریح کے ضمن میں ایک طرح سے سوتیلا بچہ ہے[5]۔

آواز کے چھوٹے سے چھوٹے جزو یا مفرد اکائی، جسے اردو میں صوتیہ اور انگریزی میں فونیم (phoneme) کہتے ہیں، کا تصور تو بہت بعد کی پیداوار ہے لیکن صوت رکن کا شعور خاصا قدیم ہے[6]۔ قدیم ہندستان میں بھی صوت رکنوں کا شعور موجود تھا اور دوسری صدی قبلِ مسیح کے سنسکرت کے قواعد داں پتنجلی (Patanjali) نے بھی اس پر بحث کی ہے[7]۔ البتہ صحیح معنوں میں صوت رکن کا تعارف انیسویں صدی کے نصفِ آخر میں کرایا گیا اور اس کا سائنسی مطالعہ کوئی ایک صدی سے جاری ہے لیکن آج بھی کئی لوگ صوت رکن کی ہستی کے منکر ہیں کیوں کہ اسے ایک قابلِ پیمائش وجود (measurable entity) کے طور پر پیش کرنا مشکل ہے[8] اور یہ، بقول اٹو جیسپرسن (Otto Jespersen) کے، ایسی ہی منطق ہے کہ ہم سامنے نظر آنے والے پہاڑوں کے وجود سے اس لیے انکار کردیں کہ دو پہاڑوں کے درمیانی فاصلے کے بارے میں ہم یہ طے نہ کرسکیں کہ کس وادی کا کون سا حصہ کس پہاڑ میں شامل ہے[9]۔

لیکن نسبتہً حالیہ دور میں ماہرین نے صوت رکن کی تعریف کی بحثوں میں زیادہ الجھنے کی بجائے اس بات کو قبول کرلیا ہے کہ صوت رکن صوتیاتی تشریحات کی ایک اکائی ہے[10]۔ بہرحال، صوت رکن کی ایک تعریف جو بالعموم انگریزی مصادر و منابع میں ملتی ہے کچھ یوں ہے:

A syllable is a phonological unit composed of one or more phonemes.

یعنی صوت رکن یا سلیبل ایک صوتیاتی اکائی ہے اور یہ ایک یا ایک سے زیادہ صوتیوں یعنی فونیموں پر مشتمل ہوتا ہے[11]۔

دراصل ہم کسی طویل لفظ کو ایک ساتھ نہیں بولتے بلکہ اسے ٹکڑوں میں بانٹ کر بولتے ہیں، جیسے لفظِ مستقبل کو ہم مُس + تَق + بِل بولتے ہیں۔ یہ تین ٹکڑے دراصل تین صوت رکن یا سلیبل ہیں اور ہر صوت رکن میں کچھ آوازیں ہیں۔ یعنی لفظ میں صوت رکن ہوتے ہیں اور ہر صوت رکن میں ایک یا ایک سے زیادہ آوازیں ہوتی ہیں۔ گویا صوت رکن چھوٹے سے چھوٹا صوتی ٹکڑا ہے جسے آلاتِ تلفظ ایک ساتھ ادا کرسکیں[12]۔ صوت رکن ایک لفظ بھی ہوسکتا ہے اور ایک لفظ کا حصہ بھی۔ مثلاً لفظ 'لڑکا' میں پانچ صوتیے یا فونیم ہیں (لام، زبر، ڑے، کاف اور الف، کیوں کہ دراصل زیر، زبر، پیش بھی اردو کے صوتیوں میں شامل ہیں، یہ مصوتے (vowel) ہیں گو مختصر ہیں)، لیکن اس لفظ میں دو صوت رکن ہیں ایک 'لڑ' اور دوسرا 'کا'۔ مزید وضاحت کی جائے تو صوت رکن تلفظ کو ظاہر کرنے کی ایسی اکائی ہے جس میں ایک مصوتہ (vowel) آگے یا پیچھے کے مصمتے (consonant) یا مصمتوں کے ساتھ (یا بغیر بھی) ہوتا ہے، کیوں کہ تنہا مصمتہ ادا کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی مصوتہ لگانا پڑتا ہے لیکن تنہا مصوتے کو ادا کرنا ممکن ہے۔ اسی لیے اردو کا ایک صوت رکن اگر ایک مصوتے پر مشتمل ہے تب بھی ایک لفظ ہوسکتا ہے، مثلاً 'آ'۔ یہ ایک صوتیہ ہے جو مصوتہ ہے، اور صوت رکن بھی اور لفظ بھی۔ 'لڑکا' ایک لفظ ہے، اس میں دو صوت رکن ہیں یعنی 'لڑ' اور 'کا' اور، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، پانچ صوتیے ہیں جن میں سے دو مصوتے ہیں (زبر اور الف) اور تین مصمتے ہیں (ل، ڑ، ک)۔ یہاں پہلا صوت رکن (لڑ) اس طرح بنا ہے کہ پہلے ایک مصمتہ ہے (ل) پھر ایک مصوتہ ہے (لام پر زبر) اور پھر ایک مصمتہ ہے (ڑ)۔ دوسرے صوت رکن (کا) میں پہلے ایک مصمتہ (ک) ہے اور پھر ایک مصوتہ (الف)۔

صوت رکنوں میں شامل مصمتوں اور مصوتوں کو تحریری طور پر بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ اسے صوت رکنی تحریر (syllabic writing) کہتے ہیں۔ اس میں مصوتے (vowel) کو انگریزی کے حرف وی (v) سے اور مصمتے (consonant) کو سی (c) سے ظاہر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر لفظ 'لڑکا'، جو پانچ صوتیوں (دو مصوتوں اور تین مصمتوں) پر مشتمل ہے،

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کرسکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

یوں لکھا جائے گا: cv+cvc۔ اس میں پہلا صوت رکن 'لڑ' (cvc) اور دوسرا صوت رکن 'کا' (cv) ہے۔ صوت رکن کو ذیلی اجزا میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے لیکن سرِدست یہ ہمارا موضوع نہیں ہے لہٰذا اس سے گریز کیا جاتا ہے۔

صوت رکن کی بعض زبانوں میں بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے کیوں کہ ان زبانوں کے الفاظ میں بَل یا زور (جسے لسانیات کی اصطلاح میں (stress) کہتے ہیں) ہوتا ہے اور کسی خاص صوت رکن پر زور دینے سے لفظ کا مفہوم تبدیل ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر انگریزی کے کچھ الفاظ ایسے ہیں کہ ان کے کسی خاص صوت رکن پر زور دینے سے مفہوم میں اسم اور فعل کا فرق پیدا ہوجاتا ہے، مثلاً لفظ contest کا تلفظ کرتے ہوئے پہلے صوت رکن یعنی con پر زور دیا جائے اور اسے 'کون ٹسٹ' پڑھا جائے تو یہ اسم (یعنی مقابلہ یا نزاع یا بحث) کا مفہوم ادا کرتا ہے اور اگر اس کے پہلے صوت رکن پر زور نہ دیا جائے اور اس کا تلفظ 'کن ٹسٹ' کیا جائے تو یہ فعل (یعنی مقابلہ 'کرنا' یا بحث 'کرنا') کا مفہوم ادا کرتا ہے[۱۳]۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ آوازوں پر زور دینا یا نہ دینا کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

اردو میں صوت رکن کا مفہوم سے اس طرح کا تعلق تو نہیں ہوتا جس طرح انگریزی میں ہوتا ہے لیکن جب تک صحیح صوت رکن پر زور نہ دیا جائے تلفظ اکھڑا اکھڑا سا معلوم ہوتا ہے[۱۴]۔ یہاں صوت رکنوں سے متعلق اس سے زیادہ تفصیل غیر ضروری ہوگی کیوں کہ اس مقالے کا اصل مقصد اردو کے صوت رکنوں کی ساخت، ان کی خصوصیات اور ان میں ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لینا اور ضمنی طور پر یہ دیکھنا ہے کہ اردو میں بعض الفاظ کے ابتدائی حروف کے تلفظ میں جو اختلافات ہیں (اور جو 'سکونِ اول کا مسئلہ' کے نام سے معروف ہیں) ان کو لسانیات اور صوتیات کی روشنی میں کیسے دیکھا جائے۔

☆ مصمتی خوشے (Consonantal Clusters)

اردو میں بعض الفاظ کے ابتدائی حروف کے تلفظ کا مسئلہ دراصل مصمتی خوشوں (consonantal clusters) سے جڑا ہوا ہے (انگریزی کے جدید لسانیاتی مطالعوں میں اس کا ایک نام consonantal blends بھی ملتا ہے)۔ لہٰذا بہتر ہوگا کہ پہلے مصمتی خوشوں کے بارے میں کچھ عرض کردیا جائے کیوں کہ ممکن ہے کہ کچھ طالبِ علم اس اصطلاح سے واقف نہ ہوں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں صوتیے یا فونیم (phoneme) دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک مصوتے یا حروف علت (vowels) اور دوسرے مصمتے یا حروف صحیحہ (consonants)۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جب دو یا دو سے زیادہ مصمتے ایک ساتھ اس طرح آئیں کہ ان کے درمیان کوئی مصوتہ نہ ہو تو ایسی صوتی ساخت کو مصمتی خوشہ کہتے ہیں[۱۵]۔ البتہ اس سے اختلاف بھی کیا گیا ہے اور کہا گیا کہ لفظ میں کسی مصوتے کی مداخلت کے بغیر جو مصمتے برابر برابر آتے ہیں انھیں خوشے تسلیم کرلیا جاتا ہے لیکن بعض ماہرینِ لسانیات نے خوشوں کی جو تعریف کی ہے اس کے مطابق مصمتی خوشے صرف ان مصمتوں کو کہنا چاہیے جو ایک ہی صوت رکن میں لگاتار یعنی کسی درمیانی مصوتے کے بغیر آئیں۔ بصورتِ دیگر ایسی تقسیم کو مصوتوں کا سلسلہ (consonantal sequence) کہنا چاہیے[۱۶]۔ لہٰذا مصمتی خوشوں کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ مختلف مصمتوں کا ایسا سلسلہ ہے جو بغیر کسی صوتی رکاوٹ کے ایک ہی صوت رکن کے ساتھ ادا ہو[۱۷]۔ اور مصمتی خوشوں کی یہی تعریف زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بہرحال، دونوں صورتوں میں، یعنی لگاتار مصمتے ایک ہی صوت رکن میں آئیں یا دو رکنوں میں، ان کا ورود ساتھ ساتھ یعنی بغیر کسی درمیانی مصوتے کے ہوتا ہے۔

درجِ ذیل الفاظ میں مصمتی خوشے موجود ہیں اور یہاں ان کی صوت رکنی تحریر میں وضاحت بھی کی جارہی ہے (ملاحظہ ہو کہ کس طرح صوت رکنی تحریر میں ایک ساتھ یعنی بغیر کسی درمیانی مصوتے کے آنے والے مصمتے انگریزی حرف 'سی' سے ظاہر ہورہے ہیں):

سخت	cvcc	(وضاحت: س=c، زبر=v، خ=c، ت=c) (زبر مصوتہ ہے)۔
درخت	cvcvcc	
وقت	cvcc	
جلد باز	cvcccvc	
شرم ناک	cvcccvc	('م' ساکن ہے)

☆ اردو کے صوت رکنوں کی ساخت اور خصوصیات

اردو الفاظ کی صوتیاتی بناوٹ پر غور کیا جائے تو یہ خصوصیات سامنے آتی ہیں:

۱۔ اردو میں یک صوت رکنی (mono-syllabic) الفاظ عام ہیں۔ اکیلا مصمتہ تو ادا کرنا ممکن نہیں ہوتا (اس سے پہلے یا بعد میں کوئی نہ کوئی مصوتہ لگانا پڑتا ہے) لیکن اکیلا مصوتہ نہ صرف ادا ہوسکتا ہے بلکہ اردو میں بعض مصوتے صوت رکن بن جاتے ہیں اور اردو کے بعض مصوتے الفاظ کی حیثیت سے بھی استعمال ہوتے ہیں، یہ مصوتے بھی ہیں، صوت رکن بھی ہیں اور لفظ بھی، مثلاً 'آ' (v)، اے (v)[۱۸]۔

۲۔ اردو میں ایسے الفاظ کثرت سے ہیں جو یک صوت رکنی ہیں اور ان کی صوتیاتی ساخت cvc ہے، مثلاً: بات، جان، موڑ، پُل، دِل، وغیرہ۔

۳۔ اردو میں ایسے یک صوت رکنی الفاظ بھی ہیں جن کی صوتیاتی ساخت vc ہے، مثلاً آج، ایک، اُڑ، اَب، وغیرہ۔

۴۔ اردو میں ایسے یک صوت رکنی الفاظ بھی ہیں جن کی صوتیاتی ساخت cv ہے، مثلاً جو، سے، کا، وغیرہ۔ اردو کا فعلِ امر بھی اسی ضمن میں آسکتا ہے، جیسے: جا، لا، کھا، وغیرہ۔

۵۔ اردو میں دو صوت رکن رکھنے والے الفاظ بھی ہیں، مثلاً لڑکا (لڑ+کا)، عورت (عو+رت)، صدا (صَ+دا)، مزدور (مز+دور) وغیرہ۔

۶۔ سہ رکنی ساخت رکھنے والے چند اردو الفاظ یہ ہیں: بہنوئی (بہ+نو+ئی)، رضامند (رَ+ضا+مند)، شرمندہ (شر+من+دہ) وغیرہ۔

۷۔ چہار رکنی ساخت کی مثالیں: چمچہ گیری (چم+چہ+گی+ری)، مچھر دانی (مچ+چھر+دا+نی) (یہاں پہلے صوت رکن میں مچھ نہیں بلکہ مچ ہی آئے گا کیوں کہ اردو میں جب ہائیہ آواز مشدد ہوتی ہے تو اس کا پہلا جز و غیر ہائیہ ہوتا ہے)، پاگل خانہ (پا+گل+خا+نہ)، وغیرہ (یاد رہے کہ زیر، زبر، پیش مصوتے ہیں)۔

۸۔ پنج رکنی ساخت کی مثال: ستم ظریفیاں (سِ+تم+ظری+فِ+یاں)۔

۹۔ اردو کا صوتیاتی مزاج مصمتی خوشوں کے خلاف ہے لیکن جن زبانوں کے الفاظ سے ہم نے اردو کا خزانہ بھرا ہے ان میں مصمتی خوشے کثرت سے ہوتے ہیں، یعنی عربی، فارسی، سنسکرت اور انگریزی۔ یہ عام طور پر ان میں سے بعض زبانوں میں الفاظ کے شروع میں آتے ہیں اور کبھی خاتمے پر بھی آجاتے ہیں[۱۹]۔ بقول مسعود حسین خان خاتمے کے خوشوں کا اردو احترام کرتی ہے (یعنی اردو والے کسی نہ کسی طرح بول لیتے ہیں) لیکن لفظ کی ابتدا میں مصمتی خوشے اردو کے لیے ناقابلِ برداشت ہیں[۲۰]۔ (یعنی ان کا بولنا اردو والوں کے لیے مشکل ہے)۔

گویا اردو الفاظ کے آغاز میں (سوائے ان خالص سنسکرت الفاظ کے جنھیں تت سم کہتے ہیں) مصمتی خوشے نہیں آتے۔ چند ایسی مثالیں ضرور ہیں جن کی ابتدا میں مصمتی خوشے آتے ہیں مگر ان میں نیم مصوتہ یا نصف حرفِ علت (semivowel) پایا جاتا ہے۔ اسے اردو لغات اور قواعد وعروض میں عام طور پر 'یائے مخلوط' کہہ کر واضح کیا جاتا ہے، اس کی مثالیں یہ ہیں: کیوں، پیار، پیاز، کیا (یعنی انگریزی کے لفظ what کے معنی میں نہ کہ 'کرنا' کے ماضی 'کِیا' (did) کے معنی میں اور کرنا کے ماضی کے مفہوم میں جو لفظ ہے یعنی 'کِیا' اس میں کاف کے بعد زیر یعنی مصوتہ موجود ہے، لیکن what کے مفہوم میں 'کیا' میں کاف کے نیچے زیر نہیں ہے)۔ ان الفاظ کو بولنے میں اردو والے نیم مصوتے کی وجہ سے کوئی دشواری محسوس نہیں کرتے البتہ ابتدا میں دو مصمتے ایک ساتھ آجائیں یعنی مصمتی خوشہ بن جائے تو مسئلہ ہوتا ہے (اس کا ذکر آگے آرہا ہے)۔

اس طرح کی بہت سی مثالیں اور ساختیں ہیں لیکن بخوفِ طوالت ان سے گریز کرکے ہم اپنے مدعا پر آتے ہیں۔

☆ اردو صوت رکنوں کی ساخت میں ہونے والی تبدیلیاں

اردو صوت رکنوں کی صوتیاتی ساخت میں ہونے والی تبدیلیوں میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ اردو میں چونکہ ابتدائی مصمتی خوشوں کا وقوع ممکن نہیں لہٰذا سنسکرت (یعنی تت سم) الفاظ میں پائے جانے والے ابتدائی مصمتی خوشے اردو میں توڑ دیے جاتے ہیں۔ یہ اردو کی ایک خاص صفت ہے، مثلاً برہمن (ب ساکن، جس کا تلفظ رومن میں brahman لکھ کر ظاہر کیا جاسکتا ہے) یا پرچار (پ ساکن) (prachar) جیسے الفاظ جن میں ابتدائی مصمتی خوشہ ہے یعنی دو ابتدائی مصمتوں کے درمیان کوئی مصوتہ (vowel) نہیں ہے ان کو اردو میں توڑ کر بِرہمن (ب مکسور یا مفتوح) اور پَرچار (پ مفتوح) بولا جاتا ہے یعنی دو مصمتوں کے درمیان ایک مصوتہ داخل کردیا جاتا ہے[۲۱]۔ گویا برہمن کے صوت رکنوں کی صوتیاتی ساخت ccvccvc کے بجائے cvcvccvc ہوجاتی ہے۔ اسی طرح پرچار کی صوتیاتی ساخت ccvcvc کے بجائے cvccvc ہوجاتی ہے۔

۲۔ اردو میں مستعمل کئی عربی اور فارسی الفاظ ایسے ہیں جن کے آخر میں مصمتی خوشہ ہے، مثلاً: نظم، قتل، حکم، صبر، نثر، قبر، وزن، گرم، نرم، ذکر، وغیرہ۔ یعنی ان سب الفاظ کا دوسرا حرف ساکن ہے (گویا اس پر جزم ہے)۔ ان سب کی صوتیاتی ساخت cvcc ہے۔ پڑھے لکھے لوگ تو اس کا تلفظ شعوری طور پر ٹھیک طرح سے ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں خاص طور پر شعر پڑھتے ہوئے (کیوں کہ تلفظ کی تبدیلی سے مصرع بحر سے خارج ہوسکتا ہے) لیکن کم پڑھے لکھے لوگ یا عام لوگ کبھی کبھار جلدی میں اس طرح ادا کرتے ہیں کہ آخر کا مصمتی خوشہ قائم نہیں رہتا اور وہ دو آخری مصمتوں کے درمیان ایک مصوتہ داخل کردیتے ہیں، اور مذکورہ بالا الفاظ کا تلفظ اس طرح ادا ہوتا ہے کہ دوسرے حرف پر جزم کی بجائے زبر لگ جاتا ہے کیوں کہ اس طرح بولنا آسان ہے، یعنی دوسرے حرف پر جزم کے بجائے زبر بولتے ہیں، مثلاً نَظَم، قَتَل، گَرَم، نَرَم، وغیرہ۔ لیکن اس طرح ان الفاظ کی صوتیاتی ساخت cvcc کی بجائے cvcvc ہوجاتی ہے[۲۲]۔

۳۔ انگریزی کے کئی الفاظ ایسے ہیں جو اردو میں مستعمل ہیں ان میں ابتدائی مقام پر مصمتی خوشہ ہے۔ ان کی ساخت میں دو طرح سے تبدیلی ممکن ہے۔ ایک تو یہ کہ ابتدائی مصمتی خوشے کے دو مصمتوں کو ایک ساتھ نہ بول سکنے پر ان سے قبل ایک مصوتے (واول) کا اضافہ کردیا جائے، جیسا کہ بالعموم کراچی والے لفظ school اور smuggling میں کرتے ہیں[۲۳] اور دو مصمتوں یعنی 'س' اور 'ک' کو ایک ساتھ اور 'س' اور 'م' کو ایک ساتھ نہ بول سکنے پر ابتدا میں زیر کے ساتھ الف کا اضافہ کرکے ان کا تلفظ اِسکول اور اِسمگلنگ کرتے ہیں۔ یہ اہلِ پنجاب کے لیے ...

(بقیہ صفحہ 6 پر)

قسط نمبر:3

مسائلِ لغت وقواعد اور رشید حسن خاں کے فکری ابعاد

ڈاکٹر ابراہیم افسر

گذشتہ سے پیوستہ

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں کے نام لکھے متعدد خطوط میں رشید حسن خاں نے لفظوں کے املا، ان کی بناوٹ اور اس کے استعمال ومسائل پر تبادلۂ خیال کیا ہے۔ ممتاز احمد خاں نے رشید صاحب کو جو خطوط لکھے ان میں درآئی لفظوں کی غلطیوں کو درست کرتے ہوئے صحیح املا لکھنے کی تلقین کی۔ اس موقع پر ممتاز احمد خاں کو لکھے خطوط سے ایک خط کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے تاکہ قارئین خود اندازہ لگاسکیں کہ دونوں کے درمیان کی گئی خط وکتابت میں املا کا موضوع ہمیشہ زیرِ بحث رہا:

’’(۱) مِٹّی اور مٹی، یہ لفظ دونوں طرح مستعمل ہے اور تھا۔ اہلِ لکھنؤ عموماً بہ کسرِ اوّل (مِٹّی) کہتے ہیں۔ کچھ علاقوں میں بہ فتحِ اوّل اور کچھ علاقوں میں بہ کسرِ اوّل بولا جاتا ہے۔ ’مٹی‘ ہی کی ایک صورت ’ماٹی‘ ہے، جو ہندی میں عام ہے (ماٹی کہے کمھار سے ...)۔

لُغات میں یہ لفظ بہ ہر دو تلفظ مندرج ہے۔ انؔشا نے دریائے لطافت میں اِسے بہ ہر دو حرکات فصیح بتایا ہے۔ میں آج کل فسانۂ عجائب کا متن مرتب کر رہا ہوں، اُس میں میں نے اِسے بہ کسرِ اول مرجح قرار دیا ہے اور یہ اہلِ لکھنؤ (یا اساتذۂ لکھنؤ) کے مطابق ہے۔

(۲) دھوبن، مالن وغیرہ بہ فتح سوم مرجح ہیں بہ کسرِ سوم لہجہ ہے اور مشرقی علاقوں کا اثر ہے۔

(۳) ’زبان‘ بھی ’مٹی‘ کی طرح بہ فتح اوّل و بہ ضم اوّل، دونوں طرح درست اور مستعمل ہے، لیکن بہ فتح اوّل زیادہ اور بہ ضم اوّل کم۔ یہ اختلاف خود فارسی میں ہے اور وہیں سے اُردو میں آیا ہے۔ ’زَبان‘ کہتا ہوں لیکن ’زُبان‘ بھی سُنا ہے۔ مرجح بہ فتح اوّل ہے۔

مقام بہ فتح اوّل کے معنی ہیں: جاے قیام۔ اور ضم اوّل (مُقام) کے معنی ہوں گے: قیام کرنا۔‘‘[۲۶]

رشید حسن خاں اپنے عزیز واقارب کو غلط املا لکھنے اور بولنے پر ٹوکتے اور روکتے تھے۔ انھوں نے اپنے متعدد خطوط میں اس بات کا بارہا ذکر بھی کیا ہے، بالخصوص خردوں کی اصلاح کو وہ اپنا اولین فرض سمجھتے تھے۔ ان کی نظر میں اُردو کا غلط املا لکھنا اس زبان سے بے پروائی کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر مہندر لال پروانہ کے نام 11 دسمبر 1995 کو لکھا خط مذکورہ باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ پروانہ صاحب نے رشید صاحب کو جو خط لکھا تھا اس میں املا سے متعلق متعدد غلطیاں درآئی تھیں۔ ان غلطیوں کی اصلاح کے لیے رشید صاحب نے انھیں تاکیدی خط تحریر کرتے ہوئے لکھا:

’’تم نے اپنے خط میں ’پتہ‘ لکھا ہے، یہ ’پتا‘ ہے۔ اسی طرح ’بجائے‘، اس میں ہمزہ کا کیا کام، ’بجاے‘ لکھو۔ ’دیکھئے‘ غلط، ’دیکھیے‘ صحیح املا ہے۔ تم نے مسرت کے میم پر پیش لگایا ہے ’مُسرت‘، میم پر زبر ہے۔ محبت اور مسرت دونوں میں میم مفتوح ہے۔ لوگ مُسرت اور مُحبت کہتے ہیں، اُن پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے، مگر خود ہمیشہ مسرت اور محبت کہنا چاہیے۔

’پڑھنے کی چیز‘ یوں لکھو ’پڑھنے کی‘ یعنی ڑ کی ط پر ذرا سی نیچے اُتار کر لگاؤ، ورنہ پ کی جگہ لے لی گی۔

’آپ نے دھوپ میں کھڑے ہو کر تصویر لینا پسند نہ کیا تھا‘۔ تصویر لینا، تصویر کھنچوانے کے معنی میں درست نہیں۔ ’تصویر کھنچوانا پسند نہ کیا تھا‘ لکھنا چاہیے تھا۔ مزید یہ کہ ’کھڑئے‘ میں ط بے جگہ ہے یوں لکھو: کھڑے۔‘‘[۲۷]

رشید حسن خاں نے یعقوب میراں مجتہدی کے نام لکھے مکتوبات میں ان کے لغت (اُردو۔ انگریزی لُغتِ مجتہدی) کی تیاری اور اسے منصۂ شہود پر لانے کی دعائیں دی ہیں۔ دراصل یعقوب میراں مجتہدی انگریزی اُردو لُغت کی تیاری کے سلسلے میں رشید صاحب سے خط و کتابت کر رہے تھے۔ تین جلدوں پر مشتمل یہ لغت (اُردو۔انگریزی لُغتِ مجتہدی، جلد اوّل، الف تا ج، جلد دوم چ تا ق، جلد سوم ک تا ی) مجتہدی صاحب کی پچیس سال کی محنت کا ثمرہ تھا جو 2007 میں منظرِ عام پر آیا۔ مجتہدی صاحب کو حکومت آندھرا پردیش کے محکمۂ ترجمہ میں بہ طور مترجم کام کرتے ہوئے انگریزی اور اُردو لغت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر ان کے ذہن میں اس لُغت کا خاکہ تیار ہوا۔ بہ قول یعقوب میراں مجتہدی میں نے اپنے لغت کی بنیاد مولوی نور الحسن کے لغت ’’نور اللغات‘‘ پر رکھی اور بیسویں صدی میں اس سے بہتر کوئی اور اُردو لُغت مرتب نہیں ہوئی[۲۸]۔ یعقوب صاحب نے اس بات کا اعتراف کیا کہ انھوں نے اپنے لُغت کے لیے رشید حسن خاں کی کتاب ’اُردو املا‘ کی سفارشات کو پیشِ نظر رکھا[۲۹]۔ ساتھ ہی انھوں نے اپنے لُغت کے کچھ صفحات رشید حسن خاں کی خدمت میں نظرِ ثانی کے لیے ارسال کیے تھے۔ یعقوب میراں مجتہدی نے رشید صاحب کو مصطلحاتِ ٹھگی کا نسخہ تحفتاً ارسال کیا تھا۔ دونوں کے تعلقات کتنے خوش گوار تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یعقوب صاحب نے اپنی دختر کی شادی میں رشید صاحب کو حیدرآباد مدعو کیا اور وہاں پر ان کی جس طرح خاطر تواضع کی گئی، اس کا ذکر خاں صاحب نے کئی خطوط میں کیا۔

رشید صاحب نے یعقوب میراں مجتہدی کے نام 22 مئی 1998 کو لکھے خط میں ان کے لغت کے کام کی خوب تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ میں توقع کرتا ہوں کہ جب یہ لُغت مکمل ہوگا اور شائع ہوگا، تو اس سے اُردو والوں کو اور دوسرے لوگوں کو بہت مدد ملے گی اور یہ اپنے انداز کا عمدہ کام ہوگا اور منفرد[۳۰]۔ اسی خط میں خاں صاحب نے لفظ ’’خزادہ‘ کے بارے میں لکھا کہ اس لفظ سے ان کی معلومات میں اضافہ ہوا ہے۔ 5 جولائی 1999 کو رشید صاحب، یعقوب صاحب کو اطلاع دیتے ہیں کہ گجرات اکیڈمی نے اُردو گجراتی ڈکشنری شائع کر دی ہے، یکم جولائی کو اُس کا جلسہ تھا۔ اِس لغت کے اُردو حصے کو میں نے دیکھا تھا ابتدا سے تین چوتھائی اجزا تک[۳۱]۔ یعقوب میراں مجتہدی نے اپنے لُغت کے جو چند اوراق رشید صاحب کی خدمت میں ارسال کیے تھے، پر رشید صاحب نے اپنا مطمحِ نظر واضح کرتے ہوئے لکھا:

’’پروف کا جو ورق آپ نے بھیجا ہے، اُس سے متعلق دو باتیں عرض کرنا ہیں:

(۱) ’اب تو پتھر کے نیچے ہاتھ دیا ہے۔‘ -محاورہ تو یوں ہے: ’اب تو پتھر کے نیچے ہاتھ دبا ہے‘۔ ’دیا ہے‘ میں نے نہ پڑھا نہ سُنا۔ ذرا اِس پر غور فرما لیجیے۔

(۲) ’اب جاؤ‘ - یہاں واو پر ہمزہ ضرور ہے، یعنی: جاؤ۔ یہاں ہمزہ لفظ کا جز ہے۔ جانا، جائے، جاؤ، اِسی طرح: جاؤ گے۔ یا لاؤ، پاؤ، آؤ، کھاؤ، وغیرہ ان سب افعال میں ہمزہ جزوِ لفظ ہے۔‘‘[۳۲]

یعقوب میراں مجتہدی کے اُردو انگریزی لُغت کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے ہی اس پر کئی مضامین رسائل وجرائد کی زینت بن چکے تھے۔ ان مضامین کے حوالے سے رشید صاحب نے یعقوب صاحب کو مبارک باد پیش کی۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی لکھا کہ یہ لُغت ان کی تمام عمر کا سرمایہ ہے جسے فردِ واحد نے اپنی کاوشوں سے انجام تک پہنچایا۔ رشید صاحب اس لُغت کا اپنی آنکھوں کے سامنے شائع ہونا دیکھنا چاہتے تھے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ یہ لُغت خاں صاحب کی وفات سے ایک سال بعد یعنی 2007 میں شائع ہوا۔ اس بارے میں رشید صاحب رقم طراز ہیں:

’’مجھے اُس دن کا انتظار ہے جب یہ مژدۂ جاں بخش سُننے کو ملے گا کہ لُغت کی طباعت مکمل ہو گئی۔ اس طرح یہ علمی کارنامہ، جسے حاصلِ عمر کہنا چاہیے، سبھی سے خراجِ تحسین وصول کرے گا۔

بس ایک بات عرض کرنا ہے: اِس پر آپ بہ طورِ خود غور کر لیجیے۔ یہ تجویز ہے، اصلاح نہیں۔ انگریزی میں لُغت کا نام مرکبِ اضافی کی صورت میں ہے Mujtahedi's Urdu (مجتہدی کا اُردو انگلش لُغت)۔ اِسی ترکیب کو اُردو میں بھی برقرار رہنا چاہیے، یعنی ’لُغتِ مجتہدی‘ اضافت کی زیر کے ساتھ ہونا چاہیے۔ لُغت میں اضافت کے زیر نہیں، نہ ہوں، مگر نام میں ضرور ہونا چاہیے، ورنہ قرأت درست طور پر نہیں ہو سکے گی۔ لوگ ’لُغت مجتہدی‘ پڑھیں گے۔ بہت کم لوگ ہوں گے جو صحیح طور پر ’لُغتِ مجتہدی‘ پڑھ سکیں گے۔ آپ اس پر غور کر لیجیے۔ میری راے میں نام میں اضافت کے زیر کا ہونا [از] بس ضروری ہے۔‘‘[۳۳]

رشید حسن خاں نے 4 اگست 2000 کو احتشام حسین ندوی کے نام لکھے مکتوب میں اُن سوالوں کا جواب دیا جو انھوں نے ’باغ و بہار‘ (طبع اوّل 1992 اور طبع ثانی 1999، انجمن ترقی اُردو (ہند)، نئی دہلی، مرتبہ رشید حسن خاں) کو پڑھنے کے بعد لکھے تھے۔ احتشام حسین ندوی نے اپنے مکتوب میں ’باغ و بہار‘ میں شامل الفاظ شلاق، پال، پرتل، آدنیہ، گرگا، بوزہ خانہ، جاروب کشی، پھڑ وغیرہ کے بارے میں معلوم کیا تھا کہ یہ تمام الفاظ فرہنگ میں شامل نہیں ہیں۔ اس کے جواب میں رشید صاحب نے لکھا کہ آپ نے فرہنگ کو دیکھے بغیر خط لکھا جب کہ مذکورہ الفاظ فرہنگ میں شامل ہیں۔ رشید صاحب نے احتشام حسین ندوی کی اس بات کی تصدیق کی کہ باغ و بہار کا مصنف تو بالکل قاموس کی پرواہ نہیں کرتا۔ انھوں نے اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ ’باغ و بہار‘ طبعِ اوّل میں ایک فاش غلطی رہ گئی تھی: محمد الرّسول اللہ؛ جسے طبعِ ثانی میں درست کر لیا گیا ہے۔ خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں ’باغ و بہار‘ میں شامل الفاظ پر بحث کی گئی ہے:

’’آپ نے لکھا ہے کہ مندرجۂ ذیل الفاظ فرہنگ میں شامل نہیں:

شلاق، پال، پرتل، آدنیہ، گرگا، بوزہ خانہ، جاروب کشی، پھڑ۔

میرا معروضہ یہ ہے کہ ’’پھڑ‘‘ کے سوا یہ سب لفظ فرہنگ میں موجود ہیں، آپ ایک بار پھر ملاحظہ فرما لیجیے:

پال (ص 650)، پرتل (ص 651)، گُرگا (ص 687)، شَلاّق (ص 677)، بوزہ خانہ (ص 648)، ...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

انجمن ترقی اردو ٹمکور کی جانب سے تہنیتی تقریب

ٹمکور (9 جولائی)۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کرناٹک کی ٹمکور ضلع شاخ نے ایس ایس ایل سی اور پی یو سی امتحانات میں اردو مضمون میں 100 فیصد نمبر حاصل کرنے والے طلبہ سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنی مکمل تفصیلات مقررہ مدت کے اندر جمع کرائیں تاکہ انھیں اگست میں بنگلورو میں منعقد ہونے والی ریاستی سطح کی تہنیتی تقریب میں اعزاز سے نوازا جاسکے۔ انجمن کی اطلاع کے مطابق اس تقریب میں صرف وہی ایس ایس ایل سی اور پی یو سی طلبہ شامل ہوں گے جنھوں نے اردو مضمون میں 100 فیصد نمبر حاصل کیے ہوں۔ اس کے ساتھ ہی انجمن ترقی اردو (ہند) کرناٹک، ٹمکور ضلع شاخ نے اعلان کیا ہے کہ اردو مضمون میں 97 فیصد یا اس سے زائد نمبر حاصل کرنے والے ایس ایس ایل سی اور پی یو سی طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے اگست میں ٹمکورو شہر میں ضلع سطح پر خصوصی تہنیتی تقریب منعقد کی جائے گی جہاں انھیں تہنیتی اسناد اور اعزازات سے نوازا جائے گا۔ انجمن نے ضلع ٹمکورو کے تمام اسکولوں، کالجوں، اساتذہ، والدین اور طلبہ سے درخواست کی ہے کہ وہ مستحق طلبہ کی تفصیلات بروقت روانہ کریں۔ (سالار۔ بنگلور)

معین امر بمبو کے مزاحیہ شعری مجموعے کی رسمِ اجرا

حیدرآباد (20 جولائی)۔ فولس پیراڈائز کلچرل سوسائٹی کے زیرِ اہتمام اردو ہال حمایت نگر میں ڈاکٹر معین امر بمبو کے مزاحیہ شاعری کا مجموعہ 'بیگن کی شاعری' کا پروفیسر ایس اے شکور، ڈاکٹر مشتاق احمد سہروردی کے ہاتھوں اجرا عمل میں آیا۔ صدرِ جلسہ پروفیسر ایس اے شکور نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ بیگن حیدرآبادیوں کا تکیہ کلام بن چکا ہے، وہ ہر بات میں بیگن شامل کردیتے ہیں حالاں کہ بیگن ایک ترکاری کا نام ہے، لوگ بگھارے بیگن، بیگن کا بھرتا مزے لے کر کھاتے ہیں لیکن گفتگو میں اس کا استعمال معیوب سمجھا جاتا ہے۔ کتاب کا سرورق بڑا معنی خیز ہے۔ موجودہ دور میں کتابوں کی کم ہوتی ہوئی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ ابتدا میں ڈاکٹر جاوید کمال نے طنز و مزاح سے بھرپور انشائیہ پیش کیا۔ انھوں نے معین امر بمبو کی 'بیگن کی شاعری' کے سلسلے کو اکبر اعظم اور بیربل کے واقعے سے جوڑ دیا اور محمد قلی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ محمد قلی قطب شاہ نے بھی ترکاریوں پر نظمیں لکھی تھیں، اسی سے متاثر ہوکر معین امر بمبو نے اپنے مجموعے کا نام 'بیگن کی شاعری' رکھا۔ کے بی این ٹائمز گلبرگہ کے شریک مدیر ڈاکٹر مشتاق احمد سہروردی جنھوں نے بطورِ مہمانِ خصوصی شرکت کی اور بہنوئیوں کے ناز و نخروں پر طنز و مزاح سے بھرپور انشائیہ سنایا اور معین امر بمبو کو مبارک باد پیش کی۔ اس کے علاوہ آئرلینڈ سے تشریف لائے ایک اور مہمان کریم الدین محمد، گلبرگہ سے تشریف لائے مہمان میاں سردار فیروزآبادی، ممتاز صحافی جناب کے. این. واصف، جناب ابو مسعود عبدالغنی، موظف تحصیلدار محبوب نگر، جناب محمد ظہور الدین سکندرآباد کوآپریٹو بینک، صوفی سلطان شطاری نے بڑے ہی پُرلطف انداز میں معین امر بمبو کے فن کو سراہا۔ ادبی اجلاس کی نظامت ڈاکٹر جاوید کمال نے طنز و مزاح سے بھرپور انداز میں کی۔ تقریب کی ابتدا ڈاکٹر طیب پاشاہ قادری کے نعتیہ کلام سے ہوئی۔ اس موقعے پر ڈاکٹر طیب پاشاہ قادری کو ملازمت سے ان کے وظیفۂ حسنِ خدمت پر سبک دوشی پر انجمن ریختہ گویاں اور فولس پیراڈائز کی جانب سے تہنیت پیش کی گئی۔ ممتاز شاعر نجیب احمد نجیب نے ڈاکٹر معین امر بمبو کی شخصیت اور مجموعۂ کلام پر تبصرہ پیش کیا بعدازاں مزاحیہ مشاعرے کا انعقاد عمل میں آیا جس کی نظامت طنز و مزاح کے ممتاز شاعر لطیف الدین لطیف نے کی۔ جناب شاہد عدیلی، فرید سحر، وحید پاشاہ قادری، ڈاکٹر معین امر بمبو، لطیف الدین لطیف، نجیب احمد نجیب، شبیر خاں اسمارٹ اور ڈاکٹر حسام الدین طلعت نے اپنے مزاحیہ کلام سے محفل کو زعفران زار بنادیا۔ مشہور کامیڈین شہاب الدین پاپا نے اپنے منفرد خاکوں سے سامعین کو بار بار قہقہے لگانے پر مجبور کردیا۔ ڈاکٹر جاوید کمال کے شکریے پر اس یادگار اور قہقہہ بردوش محفل کا اختتام عمل میں آیا۔ (رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

چنار بک فیسٹول اختتام پذیر

پچھتّر لاکھ روپے کی اُردو کتابوں کی فروخت

200 ناشرین، 250 سے زائد اسٹالز اور 800 ادیبوں و دانشوروں کی شرکت

سری نگر (26 جولائی)۔ چنار بک فیسٹول 2026 کا تیسرا اڈیشن اتوار کو اختتام پذیر ہوگیا جس نے وادیِ کشمیر میں کتاب، ادب اور علمی مکالمے کے فروغ کے لیے ایک اہم پلیٹ فارم فراہم کیا۔ نو روز جاری رہنے والے اس فیسٹول میں ملک بھر سے تقریباً 200 ناشرین، 250 سے زائد بک اسٹالز اور 800 سے زیادہ ادیبوں، شاعروں، فنکاروں، دانشوروں اور مفکرین نے شرکت کی۔ ایس کے آئی سی سی سری نگر میں منعقد ہونے والے اس فیسٹول میں کتابوں کی نمائش اور فروخت کے علاوہ ادبی نشستیں، علمی مباحث، مصنّفین سے ملاقات، شعری محافل، ثقافتی پروگرام، صوفیانہ موسیقی اور بچوں کے لیے مختلف سرگرمیوں کا انعقاد کیا گیا۔ فیسٹول کا مقصد نوجوان نسل میں مطالعے کا شوق پیدا کرنا، کتابوں کے ذریعے فکری وسعت کو فروغ دینا اور وادی کی علمی و ادبی روایت کو مزید مضبوط بنانا تھا۔ منتظمین کے مطابق موجودہ ڈیجیٹل دور میں بھی کتاب کی اہمیت برقرار ہے اور سنجیدہ مطالعہ انسان میں شعور، تنقیدی فکر اور تخلیقی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ قومی اردو کونسل کی جانب سے فیسٹول کے دوران مختلف موضوعات پر دس ادبی، تہذیبی اور ثقافتی پروگرام منعقد کیے گئے جن میں کشمیر اور ملک کے دیگر حصوں سے تعلق رکھنے والے تقریباً پچاس ماہرین نے شرکت کی۔ فیسٹول میں معروف ادیبوں، دانشوروں اور ماہرینِ تعلیم نے مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال کیا جن میں ادب، زبان، ثقافت، تعلیم، سماج اور عصری مسائل شامل تھے۔ چنار بک فیسٹول 2026 کتابوں کی خریداری کے لحاظ سے بھی کامیاب رہا۔ اس بار ملک بھر سے 106 اردو پبلشرز نے شرکت کی اور مجموعی طور پر 75 لاکھ روپے سے زائد کی اردو کتابیں فروخت ہوئیں۔ گذشتہ سال منعقد ہونے والے دوسرے اڈیشن میں 60 اردو پبلشرز شریک ہوئے تھے جہاں کتابوں کی خریداری 48 لاکھ روپے تک رہی تھی۔ رواں سال پبلشرز کی تعداد اور کتابوں کی فروخت دونوں میں اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ واضح رہے کہ چنار بک فیسٹول 2026 کا انعقاد 18 سے 26 جولائی تک نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، قومی اردو کونسل اور ضلع انتظامیہ سری نگر کے اشتراک سے کیا گیا۔ فیسٹول کا افتتاح لیفٹننٹ گورنر منوج سنہا نے کیا تھا۔ افتتاحی تقریب میں نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا کے چیئرمین پروفیسر ملند سدھاکر مراٹھے، این بی ٹی کے ڈائرکٹر یوراج ملک، قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد شمس اقبال، ڈپٹی کمشنر سری نگر اکشے لابرو اور دیگر اعلا حکام موجود تھے۔ منتظمین کے مطابق چنار بک فیسٹول کا تیسرا اڈیشن پہلے دو اڈیشنز کے مقابلے میں زیادہ وسیع، منظّم اور کامیاب ثابت ہوا جس نے کشمیر میں کتاب دوستی، ادبی سرگرمیوں اور علمی تبادلے کو نئی سمت فراہم کی۔

(روزنامہ کشمیر عظمیٰ۔ جموں وکشمیر)

غالب انسٹی ٹیوٹ میں بیگم عابدہ احمد یادگاری خطبے کا انعقاد

نئی دہلی (25 جولائی)۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ اہتمام بیگم عابدہ احمد یادگاری خطبے کا اہتمام کیا گیا۔ تھیٹر کی دنیا کی ممتاز شخصیت جناب سلیم عارف صاحب نے 'ہندستانی تھیٹر: آج اور کل' کے موضوع پر خطبہ پیش کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ عموماً جب بھی ہندستانی تھیٹر کی بات ہوتی ہے تو زیادہ تر ناسازگار حالات لوگوں کی بے توجہی اور سرکاری معاونت میں کمی کا رونا رویا جاتا ہے لیکن کوئی عملی اقدام کی طرف توجہ نہیں دلائی جاتی۔ میری نظر میں تھیٹر کی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ مناسب قیمت پر آڈیٹوریم کی کمی ہے۔ اگر کم قیمت پر سہولتوں کا خیال رکھتے ہوئے آڈیٹوریم کا انتظام ہو تو تھیٹر کی دنیا میں نمایاں پیش رفت ہوگی۔ تھیٹر کی طرف سے ایک شکایت یہ بھی ہے کہ جن فنکاروں نے تھیٹر سے اپنی شناخت بنائی اور فلموں میں شہرت حاصل کی اُنھوں نے دوبارہ تھیٹر کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا۔ صرف چند نام ہی آپ پیش کرسکیں گے جنھوں نے فلموں میں کامیابی کے بعد بھی تھیٹر نہیں چھوڑا۔ اگر تھیٹر سے فلموں میں کامیابی حاصل کرنے والے سال میں ایک بار بھی تھیٹر کرتے تو اس سے تھیٹر کی مقبولیت میں غیر معمولی اضافہ ہوتا۔ خطبے کی صدارت غالب انسٹی ٹیوٹ کے چیئرمین جسٹس بدر دریز احمد نے کی۔ صدارتی خطاب میں اُنھوں نے کہا کہ بیگم عابدہ احمد اور غالب انسٹی ٹیوٹ کا رشتہ اساسی نوعیت کا ہے۔ اُنھوں نے غالب انسٹی ٹیوٹ کی شکل میں اردو کے ایسے ادارے کا خواب دیکھا تھا جو روایت کے ساتھ عصری مسائل کو بھی پیشِ نظر رکھتا ہو۔ (سیاسی تقدیر۔ دہلی)

القاضی اردو اکیڈمی کی جانب سے ادبی نشست

نئی دہلی (22 جولائی)۔ دورِ حاضر میں جہاں اردو زبان کو صفحۂ اول سے مٹانے کی سازش کی جارہی ہے وہاں دوسری طرف اردو کی شیدائی سماجی کارکن ایڈوکیٹ شاہ جبین قاضی نے القاضی اردو اکیڈمی اینڈ کوچنگ ٹرسٹ کی بنیاد رکھ کر ثابت کردیا کہ اردو زبان کو سرزمینِ ہند سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اردو زبان کی ترقی کے پیشِ نظر انڈیا مال نیوفرینڈز کالونی میں آیورویدک اینڈ یونانی دواخانے کی روحِ رواں، القاضی اردو اکیڈمی اینڈ کوچنگ ٹرسٹ کی بانی اور سرگرم سماجی کارکن ایڈوکیٹ شاہ جبیں قاضی نے اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن اور طبی یونانی کانگریس کے صدر ڈاکٹر سیّد احمد خاں کے اعزاز میں ایک ادبی نشست کا اہتمام کیا۔ اس موقعے پر بحیثیت صدر پدم شری پروفیسر اختر الواسع (ریٹائرڈ) نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ ایڈوکیٹ شاہ جبیں قاضی نے قابلِ فخر کارنامہ انجام دیا ہے۔ مہمانِ خصوصی ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ عالمی سطح پر اردو زبان ہمیشہ زندہ رہے گی۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان کے فروغ کے لیے ہر برس شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ کے یومِ پیدائش پر اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کی طرف سے یومِ اردو تقریب کے تحت اردو زبان کے لیے کام کرنے والے چنندہ افراد کو ایوارڈ تقسیم کیے جاتے ہیں۔ امسال القاضی اردو اکیڈمی اور اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے اشتراک سے یومِ اردو تقریب کے لیے تقسیمِ انعامات پر بھی غور کیا جارہا ہے۔ طبیہ کالج قرول باغ کے سابق پرنسپل ڈاکٹر ادریس نے مسرت آمیز لہجے میں کہا کہ ایڈوکیٹ شاہ جبیں قاضی نہ صرف قانونی کام کررہی ہیں بلکہ آیورویدک و یونانی دواخانے کے ساتھ ساتھ القاضی اردو اکیڈمی اینڈ کوچنگ ٹرسٹ کا قیام قابلِ تحسین کام ہے۔ مہمانِ ذی وقار سراج الدین قریشی (انڈیا اسلامک کلچرل سنٹر کے سابق ڈائرکٹر) نے کہا کہ خاتون وکیل ہونے کے ناتے شاہ جبیں قاضی کی اردو زبان کے تئیں توجہ کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

(سیاسی تقدیر۔ دہلی)

اُردو اور کنڑا میڈیم اسکولوں کے لیے منصوبے کی ضرورت

بیدر(25 جولائی)۔''سکندراپور دیہات کے سرکاری اردو اسکول میں آکر احساس ہورہا ہے کہ کنڑا میڈیم اور اردو میڈیم اسکولوں کے لیے ہمیں فکر کرنا ہے۔ ہمارے دیہی علاقوں کے بچے جتنا کچھ کرسکتے ہیں شہر کے طلبہ نہیں کرسکتے۔شاہین ادارہ جات کے نتائج دیہات سے آنے والے غریب طلبہ آگے بڑھا رہے ہیں۔ چار پانچ دن پہلے پروگرام ہوا، کنڑا اور اردو میڈیم کے بہت ہی غریب بچے جو دیہات سے ہیں،اُن کے ماں باپ کے کپڑے ٹھیک نہیں ہیں لیکن ہر تیسری بچی ڈاکٹر بن رہی ہے۔ان شاءاللہ ای سی اور جناب حیدر علی صاحب سے مشورہ کرکے ایک بڑا پلان ایسے سرکاری اسکولوں کے لیے بنائیں گے''۔ یہ باتیں ڈاکٹر عبدالقدیر چیئرمین شاہین ادارہ جات بیدر نے کہیں۔ وہ نمازِ جمعہ سے قبل سرکاری اردو ہائر پرائمری اسکول سکندراپور تعلقہ و ضلع بیدر میں یارانِ ادب اور کلیان کرناٹک اردو جرنلسٹ ایسوسی ایشن بیدر کی جانب سے طلبہ میں تعلیمی اشیا کی مفت تقسیم کے پروگرام سے خطاب کررہے تھے۔اُنھوں نے مزید کہا کہ انڈیا میں وہی اچھے ڈاکٹرس ہیں جو دیہات سے آتے ہیں۔ڈاکٹر دیوی شٹی کے پاس ایک ہزار MD ڈاکٹر کام کرتے ہیں، دنیا بھر سے لوگ آتے ہیں۔ڈاکٹر دیوی شٹی بیدر کے ڈاکٹر بننے والے 40 مستحق بچوں کی سالانہ بنیادوں پر ہندو مسلم دیکھے بنا مدد کررہے ہیں شرط یہ ہے کہ وہ طلبہ محنتی اور ذہین ہوں۔ڈاکٹر عبدالقدیر نے اساتذۂ کرام کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ ٹیچر ایسا نہ سمجھیں کہ اردو میڈیم کے طلبہ ہیں کیا پڑھیں گے۔ یہاں کے یہ بچے دراصل ملّت کو کنٹرول کرنے والے بنیں گے ان شاءاللہ۔اتنا ضرور کیجیے کہ ان طلبہ میں سے ہر ایک کو حساب اور لنگویجز میں ٹھیک کردیجیے۔ ساتھ میں والدین کی عزت کرنے سے متعلق تربیت کردیجیے، بس۔ ڈاکٹر عبدالقدیر کے ہاتھوں 9 طلبہ و طالبات میں نوٹ بُکس، ان کے آٹوگراف اور ایک سطری نصیحت کے ساتھ تقسیم کی گئی۔ بعدازاں وہ بیدر کے لیے واپس ہوئے، اس کے بعد باقی پروگرام جاری رہا جس سے خطاب کرتے ہوئے جناب حیدر علی شاکر ای سی او بیدر برائے BEO نے کہا کہ میں ڈی ڈی پی آئی صاحب، بی ای او بیدر اور محکمۂ تعلیمات کی جانب سے تہِ دل سے ممنون رہوں گا کہ یوسف رحیم صاحب کی دعوت پر ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب یہاں پہنچے۔سرکاری اسکول کے بچوں کے ساتھ وقت گزارا اور ان کے لیے حوصلہ افزا اعلانات کیے۔

(سیاسی تقدیر۔دہلی)

رفتید ولے نہ از دلِ ما

نعیم بدایونی

نئی دہلی۔ ہندستان کے نامور شاعر نعیم بدایونی صاحب کا 11 جولائی 2026 کو اچانک دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہوگیا۔وہ 66 برس کے تھے۔ان کے انتقال کی خبر سے ادبی دنیا میں سوگ کی لہر دوڑ گئی۔نعیم بدایونی 20 اپریل 1960 کو اترپردیش کے شہر بدایوں میں پیدا ہوئے۔بچپن سے ہی انھیں شاعری سے گہرا لگاؤ تھا۔اپنے لفظوں اور اندازِ بیان سے انھوں نے بہت کم وقت میں مشاعروں میں اپنی الگ پہچان بنائی۔ وہ نہ صرف ایک عمدہ شاعر تھے بلکہ ایک نیک دل اور امن پسند انسان بھی تھے۔ان کے اچانک انتقال پر ادبی چوپال فاؤنڈیشن دہلی کے بانی و صدر خمار دہلوی، اردو ہندی ایکتا انجمن کے صدر اعجاز انصاری،صوفی کشش وارثی، عارف دہلوی، جاوید عباسی، اثر دہلوی اثر، گل بہار گل، سرفراز احمد فراز، پنڈت پریم بریلوی، تابش خیرآبادی، فرید احمد فرید، احترام صدیقی، صبا عزیز، فوزیہ افضل، کملا سنگھ زینت اور ہاشم دہلوی کے ساتھ ساتھ کئی دیگر شعرا اور ادیبوں نے گہرے دکھ کا اظہار کیا ہے۔ واضح رہے کہ ایک ہفتہ پہلے 4 جولائی 2026 کو نعیم بدایونی صاحب نے دہلی کے ایوانِ غالب میں منعقدہ ادبی چوپال فاؤنڈیشن دہلی کے ایک مشاعرے میں شرکت کی تھی۔

پروفیسر انصاری محمد سلیم

دھولیہ۔ باذوق حلقوں میں ممتاز شناخت رکھنے والے پروفیسر انصاری محمد سلیم اس دارِفانی سے کوچ کرگئے۔انھوں نے بروزِ جمعرات 16 جولائی 2026 کو دھولیہ میں اپنی رہائش گاہ پر آخری سانس لی۔انتقال کے وقت ان کی عمر 71 برس تھی۔ جنازہ مرحوم کے قدیم مکان تاشہ گلی، سلطانہ چوک سے اٹھایا گیا۔جلوسِ جنازہ میں ہر مکتبِ فکر کی شخصیات کے علاوہ فنکاروں کی بڑی تعداد شامل ہوئی۔ نمازِ جنازہ مفتی واجد نے پڑھائی۔ پس ماندگان اور عزیز و اقارب کے لیے تعزیتی کلمات حافظ فاروق چشتی نے پیش کیے۔پس ماندگان میں بھراپُرا خاندان ہے۔

پیشے سے پروفیسر محمد سلیم اپنی نعت خوانی اور گلوکاری کے سبب ریاست بھر میں مقبول تھے۔ درجنوں قومی، ریاستی اور علاقائی ایوارڈ حاصل کرچکے انصاری محمد سلیم مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو ساہتیہ اکیڈمی کے رکن رہے اور حتی الامکان فن کاروں کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ مرحوم نے شہر کے معروف ایل.ایم.سردار اردو ہائی اسکول میں کئی برس تک تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ پی ایچ.ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ایس ایس وی پی ایس کالج میں شعبۂ اردو میں بطورِ پروفیسر اپنی خدمات انجام دیں۔مرحوم نے نارتھ مہاراشٹر یونیورسٹی میں پی ایچ.ڈی کے گائیڈ کے طور پر بھی کئی برس تک خدمت انجام دی۔اردو اکیڈمی کے رکن کے طور پر خدمت انجام دیتے ہوئے خاندیش کے شعرا، ادبا، آرکسٹرا کے فن کاروں کو مالی مدد دلائی اور طلبہ کے لیے کیریر گائیڈنس کے پروگرام کا انعقاد کیا۔موسیقی کے شوق نے مرحوم کو مہاراشٹر کے علاوہ دیگر ریاستوں میں بھی شہرت عطا کی۔آرکسٹرا کی دنیا میں وہ ایک مقبول نام بن گئے۔ پولیس پریڈ میدان پر یومِ جمہوریہ پر ہزاروں طلبہ کو ساتھ لے کر علامہ اقبال کا 'سارے جہاں سے اچھا' سے سماں باندھ دیتے تھے۔ پھر انھوں نے آرکسٹرا کی دنیا کو خیرباد کہہ دیا اور نعت خوانی کی طرف مائل ہوئے۔اس کے لیے انھوں نے 'محفلِ ترانۂ محمدی' نام سے گروپ قائم کیا جو نعتِ پاک کے پروگرام منعقد کرتا تھا۔اس میں آپ کی مسحور کن آواز میں نعتیں سن کر عاشقانِ رسول مسحور ہوجاتے تھے۔ان کی وفات سے شہر کا باذوق حلقہ سوگوار ہے۔

ریحانہ خطیب

ممبئی۔انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول اینڈ جونیر کالج باندہ کی سابق کارگزار پرنسپل ریحان ریاض الدین خطیب کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ان کی عمر 74 برس تھی۔ پس ماندگان میں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ ان کی تدفین بدھ کو جوگیشوری کے اوشیوارہ قبرستان میں ہوئی۔

مرحومہ ریحانہ خطیب ذیابیطس اور بلڈ پریشر کے مرض میں مبتلا تھیں۔ ان امراض سے آنے والی کمزوری کے سبب گزشتہ دو ڈھائی سال سے صاحبِ فراش تھیں۔ دو تین مہینوں سے طبیعت زیادہ خراب تھی۔انھوں نے 21 جولائی 2026 کی شام پانچ بجے اپنی رہائش گاہ پر آخری سانس لی۔عزیز و اقارب اور تدریسی شعبے سے تعلق رکھنے والوں کی موجودگی میں انھیں سپردِ خاک کیا گیا۔

ریحانہ خطیب کا تعلق اورنگ آباد (مہاراشٹر) سے تھا۔انھوں نے اپنی پوری تعلیم اورنگ آباد سے مکمل کی تھی۔وہ شادی کے بعد 1976 میں اورنگ آباد سے ممبئی منتقل ہوئی تھیں۔انھوں نے 1976 میں بحیثیت معلّمہ انجمن اسلام باندہ گرلز ہائی اسکول جوائن کیا تھا اور 2009 میں اسی ادارے سے بطورِ کارگزار پرنسپل سبکدوش ہوئی تھیں۔اپنی 33 سالہ تدریسی خدمات کے دوران انھوں نے بڑی محنت سے طالبات کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیا۔اسکول ہذا کی ہزاروں طالبات، جو اُن کے دور میں پڑھ رہی تھیں، اُنھیں اپنا مثالی ٹیچر مانتی ہیں۔ مرحومہ ایک معروف معلّمہ کے علاوہ بہترین ادیبہ اور مقرر بھی تھیں۔ 1975 میں مراٹھواڑہ یونیورسٹی سے جرنلزم کا کورس بھی کیا تھا۔اورنگ آباد سے شائع ہونے والے اخبار 'آج' کے بچوں کے صفحے کے لیے لکھا کرتی تھیں۔ علاوہ ازیں 2009 سے روزنامہ 'انقلاب' کے معروف 'اوڑھنی' صفحے کے لیے بھی کافی عرصے تک لکھتی رہیں۔انھوں نے 'اوڑھنی' میں شائع ہونے والے اپنے مضامین کو اپنی کتاب 'عکسِ زندگی' میں بھی شامل کیا تھا۔ انقلاب کے علاوہ دیگر رسالوں میں بھی ان کے افسانے شائع ہوتے رہے ہیں۔ان کے چھوٹے بھائی پرویز قاضی نے 'انقلاب' کو بتایا کہ میری ہمشیرہ متعدد خوبیوں کی مالک تھیں۔تدریسی خدمات کے علاوہ علم و ادب سے انھیں شغف تھا۔ وہ متعدد ادبی انجمنوں سے وابستہ تھیں۔انھیں اردو مضامین اور افسانے لکھنے کا بڑا شوق تھا۔وہ ایک بہترین مقرر تھیں۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

'میر تقی میر کی غزلیہ شاعری کا غنائی پہلو' کا اجرا اور 'ڈیجیٹل عہد میں اردو کا مستقبل' پر مذاکرہ

سری نگر/دہلی: چنار بک فیسٹیول 2026 کے چوتھے دن بھی میلے میں شائقین کتب کی بڑی تعداد موجود رہی اور مختلف ادبی اور ثقافتی تقاریب کا اہتمام کیا گیا۔قومی اردو کونسل سے شائع ہونے والی پروفیسر شفق سوپوری کی منفرد کتاب 'میر تقی میر کی غزلیہ شاعری کا غنائی پہلو' کی تقریب اجرا و مذاکرے کا انعقاد بھی عمل میں آیا۔اس تقریب میں پروفیسر احمد محفوظ، صاحبِ کتاب پروفیسر شفق سوپوری، پروفیسر شہاب عنایت ملک اور پروفیسر محمد الطاف انجم نے بطور مقرر اور جناب عمر فرحت نے بطور موڈریٹر شرکت کی۔مقررین نے میر کی شاعری کے غنائی پہلو پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کتاب کو میریات کے باب میں ایک اہم اضافہ قرار دیا۔ پروفیسر شہاب عنایت ملک نے مصنف اور کتاب کا تعارف پیش کرتے ہوئے میر کی شاعری کی خوبیوں پر روشنی ڈالی اور پروفیسر محمد الطاف انجم نے بھی میر کی شاعری کے اس تکنیکی پہلو کو اہم قرار دیا۔ پروفیسر احمد محفوظ نے کتاب تصنیف کرنے کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر نہایت قیمتی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے میر کی غزلوں میں موجود غنائی پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ صاحبِ کتاب پروفیسر شفق سوپوری نے کتاب تصنیف کرنے کے محرکات پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے مزید کہا کہ میر کی شاعری کا یہ پہلو اس اعتبار سے اہم ہے کیونکہ میر کے اشعار کی روانی و نغمگی ہر کسی کو متاثر کرتی ہے۔

اس سے قبل 'ڈیجیٹل عہد میں اردو کا مستقبل' کے عنوان سے ایک مذاکرے کا بھی اہتمام کیا گیا جس میں پروفیسر محمد زاہد الحق اور جناب شاہد شفیع ایتو نے بطور پینلسٹ اور جناب نذیر گنائی نے بطور موڈریٹر شرکت کی۔ اردو کے مستقبل اور نئی تکنیکی تبدیلیوں کے حوالے سے دونوں مہمان مقررین نے گراں قدر خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اردو کو ڈیجیٹل پلیٹ فارم سے قریب کرنے کا مشورہ دیا اور اس کی اہمیت و افادیت پر بھی روشنی ڈالی۔

اس مذاکرے میں موجود معروف صحافی جناب اشرف بستوی اور ڈاکٹر عبدالحی نے ڈیجیٹل عہد اور اردو کے حوالے سے اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا۔

لفظ ’اسکول‘ کا املا اور تلفّظ: اُردو میں سکونِ اوّل کا مسئلہ

(بقیہ صفحہ 2 سے آگے)

باعثِ تفنن ہے کیوں کہ خود وہ اس طرح کے ابتدائی مصمتی خوشوں میں ایک اور طرح کی تبدیلی کرتے ہیں اور وہ یہ کہ دونوں مصمتوں کو توڑ کر درمیان میں ایک مصوتہ داخل کر دیتے ہیں اور یہ مصوتہ ’س‘ اور ’ک‘ کے درمیان اور ’س‘ اور ’م‘ کے درمیان ایک زبر کی صورت میں سنائی دیتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک صحیح تلفظ ’سَکول‘ اور ’سَمگلنگ‘ ہے۔ کچھ لوگ ایسے مواقع پر زبر کی بجائے زیر کا اضافہ کرتے ہیں اور ان الفاظ کو ’سِکول‘ اور ’سِمگلنگ‘ بولتے ہیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ انگریزی کا صحیح تلفظ ان تینوں سے الگ ہے اور اس میں ’س‘ اور ’ک‘ کی آواز ایک ساتھ اس طرح سنائی دیتی ہے کہ دونوں کے درمیان یا ان سے پہلے کوئی مصوتہ نہیں ہوتا۔ صوتیاتی طور پر یہاں اسکول کے صوت رکنوں کی ساخت ccvc کی بجائے vccvc یا cvcvc ہو جاتی ہے۔ کچھ اسی طرح کی تبدیلی اردو میں مستعمل انگریزی کے ان تمام الفاظ میں ہوتی ہے جن کی ابتدا میں مصمتی خوشے ہیں اور ان کا پہلا حرف ایس (s) ہے، مثلاً: station,state, stenographer, scout, stool, student. وغیرہ۔

لہٰذا یوں دیکھا جائے تو تینوں تلفظ اصل انگریزی تلفظ سے دور اور یکساں غلط اور انگریز کے لیے تینوں یکساں درجے میں باعثِ تفنن ہیں، لیکن اردو کی لسانی اور صوتیاتی مجبوریوں کے پیشِ نظر تینوں درست اور درستی کے ایک ہی درجے پر ہیں۔ کسی ایک کو ترجیح دینے کی کوئی وجہ کم از کم لسانیاتی یا صوتیاتی بنیادوں پر موجود نہیں ہے۔ ہم اپنی کم علمی یا تعصب کی بنا پر جس کا جتنا جی چاہے مذاق اڑا لیں لیکن یہ علمی رویہ نہیں ہے۔

کچھ عرصے قبل ایک صاحب نے اپنی کتاب میں ’اِسکول‘ اور ’اِسٹیشن‘ وغیرہ کے املا اور تلفظ میں ابتدائی الف مکسور کے اضافے پر کہا تھا کہ یہ ’ناواجب بندش‘ ہے، اور نہ ہی اس کی ’کوئی ٹھوس دلیل ہے‘، اور بقول ان کے ’ہر خواندہ اور ناخواندہ‘ اسے الف کے بغیر ہی بولتا ہے۔ اور آخر میں فرمایا کہ اس طرح الف کا اضافہ ’تکلف‘ تو ہے ہی ’انسانی مزاج اور طبعِ سلیم کے خلاف بھی ہے‘۔ گویا ان کے خیال میں اسے صرف ’سکول‘ بولنا ہی درست ہے۔ کاش اس طرح کے حکم لگانے سے قبل کوئی ’ٹھوس دلیل‘ وہ خود بھی فراہم کر لیتے۔ کیوں کہ اس طرح انھوں نے ان الفاظ سے قبل الف مکسور بولنے والے لاکھوں بلکہ شاید کروڑوں لوگوں کو نہ صرف ’طبعِ سلیم‘ سے محروم قرار دیا ہے بلکہ زمرۂ انسانیت ہی سے خارج کر دیا (کاش وہ کبھی کراچی یا ہندستان تشریف لے جائیں اور ایسے ’انسانوں‘ کا تلفظ ملاحظہ فرمائیں جن کو وہ زمرۂ انسانیت سے خارج سمجھتے ہیں)۔ بات یہ ہے کہ جس ملک میں عربی لغت سے کچھ الفاظ کا تلفظ نکال کر اسے اردو لفظوں پر زبردستی مڑھا جائے اور پھر اسے ’لسانیات‘ بلکہ ’انسانیت‘ قرار دیا جائے، وہاں کچھ اسی طرح کے لطائف و ظرائف صادر ہو سکتے ہیں۔

لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ اس طرح الف کے اضافے کی صوتیاتی تبدیلیاں بالعموم ان الفاظ کے ساتھ ہوتی ہیں جن کی ابتدا میں آنے والے مصمتی خوشوں کا پہلا حرف ’سین‘ ہوتا ہے کیوں کہ انگریزی کے کئی دیگر الفاظ جن کے آغاز میں مصمتی خوشے ہیں لیکن ان کا پہلا حرف ’سین‘ یا ایس (s) نہیں ہے ان کے ساتھ ابتدا میں الف کا اضافہ نہیں کیا جاتا۔ مثلاً گلاس (glass) اور پلیٹ (plate) کو ہم ’اِگلاس‘ یا ’اِپلیٹ‘ نہیں بولتے بلکہ اس کے پہلے مصمتے کے بعد ایک مصوتے (زبر یا زیر) کا اضافہ کر کے ’گِلاس‘ یا ’گَلاس‘ اور ’پِلیٹ‘ یا ’پَلیٹ‘ بولتے ہیں اور اس پر کوئی نہیں ہنستا۔ خود کراچی والے بھی اسی طرح بولتے ہیں اور انھیں اس پر ’سَکول‘ کے برعکس بالکل ہنسی نہیں آتی حالانکہ یہاں ’پلیٹ‘ اور ’گلاس‘ دونوں کے صوت رکنوں کی ساخت ccvc سے cvcvc میں تبدیل ہو رہی ہے۔

’اِسکول‘ کے تلفظ کے ضمن میں سہیل بخاری تو یہاں تک کہتے ہیں کہ انگریزی میں یا ہند یورپی زبانوں میں بھی، جن سے انگریزی نے یہ مصمتی خوشوں والے ایسے الفاظ مستعار لیے ہیں، ان لفظوں کا تلفظ کسی زمانے میں کچھ اور ہوگا[۲۴]۔ بقول ان کے انگریزی زبان میں ہند یورپی زبانوں کے ایسے بہت سے الفاظ رائج ہیں جن میں ابتدائی ’سین‘ ساکن نظر آتا ہے لیکن یورپ کی دوسری زبانوں میں ان سے قبل ایک ’ای‘ (e) یعنی الف مکسور کا اضافہ ملتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے انگریزی، ہسپانوی اور فرانسیسی کے ایسے الفاظ کی فہرست دی ہے[۲۵] جن میں سے چند یہ ہیں:

انگریزی	ہسپانوی	فرانسیسی	اردو
special	especial	......	خاص
studio	estudio	......	اسٹوڈیو
school	escuela	ecole	اسکول
star	estrella	etoile	ستارہ
spirit	espiritu	espirit	روح

ان الفاظ میں انگریزی کے ہجے میں تو پہلا حرف ایس (s) ہے لیکن ہسپانوی اور فرانسیسی ہجے میں اس سے قبل ای (E) کا اضافہ کیا جاتا ہے، مثلاً Spain اور Espana۔ سہیل بخاری یہ بھی کہتے ہیں کہ اردو زبان میں ابتدائی مصمتی خوشوں میں ساکن صفیری (fricative) (یعنی س وغیرہ) آوازوں سے قبل الف مع کسرہ کا اضافہ اردو کی اپنی ایجاد نہیں ہے بلکہ یہ قدیم ہند یورپی کا اصول ہے جو برعظیم پاک و ہند کی آریائی زبانوں میں قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے[۲۶]۔ اور جہاں تک school کو ’سِکول‘ یعنی سین مکسور سے بولنے کا سوال ہے تو جدید فارسی میں بھی انگریزی کے بعض الفاظ کے تلفظ میں ایس (s) یا ’س‘ کے بعد زیر کے اضافے کا رجحان ہے، مثلاً stalk (بمعنی تنا) کو جدید فارسی میں سِتاک یا سِتاخ لکھا جاتا ہے[۲۷] لہٰذا یہ بھی درست ہے۔

اس ضمن میں لسانیات و صوتیات کے علاوہ علمِ عروض کا بھی حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ اردو شعرا نے بالعموم اس لفظ کو الف کے ساتھ یعنی اِسکول ہی باندھا اور اگر اسے الف کے بغیر یعنی سکول پڑھا جائے تو مصرع بحر سے خارج ہو جائے گا، مثلاً، اکبرالہ آبادی کہتے ہیں:

ان سے بی بی نے فقط اِسکول ہی کی بات کی
یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

اور عنایت علی خاں کہتے ہیں:

مکتبِ فکر ہے، اِسکول نہیں ہے صاحب
تو میانے کی اجازت نہیں دی جائے گی

اکبرالہ آبادی کے ہاں لفظ اسپیچ (speech) کا استعمال دیکھیے:

پارک میں ان کے دیا کرتا ہے اِسپیچِ وفا
زاغ ہو جائے گا اک دن آنریری عندلیب

’اسپیچ وفا‘ کی اس عجیب ترکیب (جو ازراہِ تفنن لائی گئی ہے) کے استعمال سے قطع نظر، اگر یہاں اسپیچ کو الف کے بغیر (یعنی سپیچ) لکھا اور پڑھا جائے تو مصرع بے وزن ہو جائے گا اور اکبرالہ آبادی سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ لفظ ’اِسکول‘ اور ’اسپیچ‘ کو الف کے ساتھ غلط کہنے والے اگر علمِ عروض سے واقف ہیں تو ان مصرعوں کی تقطیع کر کے دیکھ لیں۔

پس ثابت ہوا کہ school کو اردو میں سَکول، سِکول یا اِسکول جس طرح بھی لکھا اور بولا جائے درست ہے کیوں کہ اس کے اصل انگریزی تلفظ (جس کی ابتدا میں ایک ساکن حرف یا مصمتی خوشہ ہے) کو ادا کرنا اردو والوں کے بہت مشکل ہے۔ یہی بات اسی قبیل کے دوسرے الفاظ کے لیے بھی صحیح ہے۔ باقی رہے اعتراض کرنے والے یا دوسروں کے تلفظ پر ہنسنے والے تو وہ بے چارے لسانیات اور صوتیات سے ناواقف ہیں۔ لہٰذا ان کے اعتراضات کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ اقبال کی بات شاید آج بھی درست ہے کہ:

ع گیسوے اردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے

حواشی

۱۔ ملاحظہ ہو سہیل بخاری کا مقالہ: سکونِ اول کا مسئلہ (اسکول کے الف کی تحقیق)، مشمولہ اردو نامہ، کراچی، شمارہ ۱۴، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۳ء۔ یہ بعد میں ان کی کتاب ’لسانی مقالات (حصۂ سوم)‘ (اسلام آباد: مقتدرۂ قومی زبان، ۱۹۹۱ء) میں بھی شامل ہوا۔ (ص ۱۰۴-۹۶)۔
۲۔ گیان چند، عام لسانیات، دہلی، ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۵ء، ص ۱۲۹۔
۳۔ عبدالسلام، عمومی لسانیات، کراچی، رائل بک کمپنی، ۱۹۹۳ء، ص ۳۲۔
۴۔ وکٹوریا فرامکن و دیگر (Victoria Fromkin and others)، An Introduction to Language، میلبرن (آسٹریلیا)، نیلسن تھامسن لرننگ پرائیویٹ لمیٹڈ، پانچوں ایڈیشن، ۲۰۰۵ء، ص ۲۳۱۔
۵۔ بحوالہ چارلس ای کیرنز و دیگر (مدیران) (Charles E. Cairns)، تعارف، Handbook of the Syllable، لیڈن، برل، ۲۰۱۱ء، ص ۱۔
۶۔ گیان چند، محولہ بالا، ص ۱۲۹۔ ۷۔ گیان چند، ایضاً۔
۸۔ چارلس ای کیرنز، محولہ بالا، ص ۱۔ ۹۔ بحوالہ ایضاً۔
۱۰۔ منجاری اوہالا (Manjari Ohala)، Syllable in Hindi مشمولہ The Syllable: Views and Facts مرتبہ Harry Van dar Hulst و دیگر، مطبوعہ برلن، Mouton de Gruyter، ۱۹۹۹ء، ص ۹۳۔
۱۱ وکٹوریا فرامکن، محولہ بالا، ص ۲۸۳۔
۱۲۔ عبدالسلام، محولہ بالا، ص ۳۸۔
۱۳۔ اوکسفرڈ کنسائز انگلش ڈکشنری، گیارھواں ایڈیشن، ۲۰۰۶ء۔
۱۴۔ گیان چند، ص ۱۳۰۔
۱۵۔ اس کا حوالہ کئی مآخذات میں موجود ہے مثلاً: اقتدار حسین خاں، صوتیات اور فونیمیات، دہلی، ترقی اردو بیورو، ۱۹۹۴ء، ص ۸۷۔
۱۶۔ نصیر احمد خان، اردو ساخت کے بنیادی عناصر، دہلی، اردو محل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۱۲۷۔
۱۷۔ ایضاً۔
۱۸۔ اس طرح کے اردو الفاظ اور اردو کے صوت رکنوں کی ساخت سے متعلق مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو: مسعود حسین خان، اردو لفظ کا صوتیاتی اور تجز صوتیاتی مطالعہ (مترجم مرزا خلیل احمد بیگ)، علی گڑھ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۸۶ء، ص ۳۱؛ نیز عبدالسلام، محولہ بالا، ص ۳۸؛ نصیر احمد خان، محولہ بالا، ص ۱۱۷۔
۱۹۔ مسعود حسین خان، مقالاتِ مسعود، دہلی، ترقیِ اردو بیورو، ۱۹۸۹ء، ص ۲۱-۲۰۔
۲۰۔ ایضاً۔ ۲۱۔ ایضاً، ص ۲۷۔
۲۲۔ عبدالسلام، محولہ بالا، ص ۴۲۔ ۲۳۔ ایضاً، ص ۴۰۔
۲۴۔ سکونِ اول کا مسئلہ، محولہ بالا ص ۴۶ و بعدہٗ۔
۲۶۔ ایضاً۔ ۲۷۔ ایضاً۔

ریٹائرڈ پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی-75270 (پاکستان)
E-mail:drraufparekh@yahoo.com

مسائلِ لغت و قواعد اور رشید حسن خاں کے فکری ابعاد

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

جاروب کشی (658)۔ پھر عام لفظ ہے، اِس لیے اس کے شمول کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ آپ نے فرہنگ کو دیکھے بغیر یہ بات کیسے لکھ دی؟ مجھے اس پر بہت تعجب ہے۔ ہاں میر امن نے ’آدنیہ‘ لکھا ہے۔ یہ بھی فرہنگ میں موجود ہے (ص 640) اور ضمیمۂ تشریحات میں ص 343 پر یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اصل لفظ ’آدینہ‘ ہے، مصنف نے ’اَدنیہ‘ استعمال کیا ہے۔ اب آپ کی رائے ہے کیا بہ قول آپ کے میں نے واقعی ’سہل انگاری‘ سے کام لیا ہے‘ یا آپ نے بغیر دیکھے اور بغیر تلاش کیے یہ بات لکھی ہے... آپ نے سَر اور سِر سے متعلق لکھا ہے۔ یہاں بھی آپ نے کتاب کے مطالعے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اگر آپ ضمیمۂ تلفظ و املا میں ص 509 کو دیکھ لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ سَر اور سِر سے متعلق مکمل طور پر وضاحت کردی گئی ہے۔‘‘[۳۴]

رشید حسن خاں نے صابر سنبھلی کو لکھے مکتوبات میں املا، تلفظ و لُغت کے مسائل پر گفتگو کی ہے۔ 22 دسمبر 1992 کو لکھے خط میں اس بات کی صراحت کی گئی کہ فرہنگ فارسی مرادف ہے لُغت کا۔ اُردو میں کتاب کے آخری حصے میں لفظوں کی وضاحت کے لیے پیش کیا جانا والا حصہ فرہنگ کہلاتا ہے۔ جب کہ لُغت کے لیے ڈکشنری لفظ مستعمل ہے۔ رشید صاحب نے اس خط میں یہ بھی لکھا کہ لُغت مذکر ہے، اب کچھ لوگ اسے مونث کے طور پر لکھنے لگے ہیں۔ خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

’’فرہنگ، فارسی مترادف ہے لُغت کا۔ البتہ اُردو میں فرہنگ بہ طورعموم اُس حصے کو کہتے ہیں جو کسی کتاب کے آخر میں، اُس کتاب میں شامل الفاظ کے معنی و مفہوم کی صراحت پر مشتمل ہو۔ ’ڈکشنری‘ کے لیے لفظ ’لُغت‘ ہے۔ اس امتیاز کو باقی رکھنا چاہیے۔ قاموس کے اصلی معنی تو ’دریاے عمیق‘ ہیں۔ فیروز آبادی نے اپنے عربی لُغت کا نام اسی رعایت سے قاموس رکھا تھا، یوں یہ لفظ ڈکشنری کے معنی میں چل نکلا، اور پھر قاموس الاعلام، قاموس الاصطلاحات جیسی کتابوں کے نام کے طور پر استعمال کیا گیا۔ مطلق ڈکشنری کے معنی میں اُردو میں اِسے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے لیے ’لُغت‘ ہی مناسب ہے اور لُغت مذکر ہے، اگر چہ اب کچھ لوگ مونث بھی کہتے ہیں۔ اسے بھی مان لیا جائے گا۔ میں خود مذکر کہتا اور لکھتا ہوں، مگر مونث کو غلط نہیں کہتا۔‘‘[۳۵]

حواشی:

۲۶۔ ایضاً، ص 925-924

۲۷۔ ایضاً، ص 953

۲۸۔ اُردو انگریزی لُغتِ مجہتدی (جلد اول، الف تا ج)، یعقوب میراں مجہتدی، 2007، عرض مولف

۲۹۔ ایضاً، عرضِ مولف

۳۰۔ رشید حسن خاں کے خطوط، مرتب ڈاکٹر ٹی. آر. رینا، اُردو بک ریویو، نئی دہلی فروری 2011، ص 1028

۳۱۔ ایضاً، ص 1031

۳۲۔ ایضاً، ص 1046

۳۳۔ ایضاً، ص 1047

۳۴۔ رشید حسن خاں کے خطوط (جلد دوم) مرتب ڈاکٹر ٹی. آر. رینا، اُردو بک ریویو، نئی دہلی نومبر 2015، ص 61

۳۵۔ ایضاً، ص 360

(باقی آئندہ)

مصطفیٰ تاج کی مزاح نگاری پر ایک نظر

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

غالبًا یہی وجہ ہے کہ بعض جگہ ان کی تحریریں اکھڑی اکھڑی سی محسوس ہوتی ہیں، مثلاً:

’الفاظ سے مرعوب کرنے کا آرٹ صرف بھوپالی ہی کو آتا ہے، ایک کمزور بھوپالی بڑے سے بڑے طاقتور کو اپنے ایکشن اور خطرناک الفاظ سے مرعوب کرتا ہے اور بڑے بہادر لوگ آنے والے خطرات کی بو سونگھ کر چوکڑی بھول جاتے ہیں۔ مثلاً ایک بہت لاغر کمزور آدمی اپنے حریف کو کس طرح مرعوب کرتا ہے، سُنیے:

’ارے جاؤ خان میاں کچھ کھا پی کر آؤ، اپن سے مت الجھو ورنہ پھیلا دوں گا، ایک منٹ میں آنتیں پُماڑے باہر دکھیں گی، ابھی پولیس والے لبیریاں بینتے نظر آئیں گے، پہلے اپنے سری پائے ٹھیک کرکے آؤ پھر شیر کے پنجرے میں سر ڈالنا.... ابھی گوشت کی دکان لگ جائے گی.... اپنا کیا ہے بارہ کیس پہلے سے چل رہے ہیں ایک اور بڑھ جائے گا‘۔

(بھوپالی دُم چھلّہ)

مصطفیٰ تاج پیوند کاری کی تکنیک سے بھی واقف ہیں۔ انھوں نے اپنے متعدد مضامین اور بیشتر خاکوں میں اس کو برتا ہے۔ خاص طور پر وہ اپنے خاکوں میں کرداروں کا مشاہدہ کرتے وقت درمیان میں بعض لطیفے اس طرح ٹانک دیتے ہیں کہ موضوع پر ان کی گرفت تو ڈھیلی پڑ جاتی ہے لیکن قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ حالاں کہ اس طرح کی فنی تنظیم کہیں کہیں گراں بھی گزرتی ہے مگر یہ غالبًا ان کی مجبوری ہے جس سے فرار اس لیے ممکن نہیں کہ موضوع سے متعلق جتنا مواد ان کے پاس ہوتا ہے اس میں اس طرح کے واقعات اور لطیفے گھول کر اس کا نہ صرف قوام گاڑھا کر لیتے ہیں بلکہ اس کی مقدار میں بھی اضافے کا کام انجام دیتے ہیں جس کا کچھ اندازہ ذیل کے اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

’آج بیس سال سے آپ پرانی غزلیں نئی کہہ کر سنا رہے ہیں آخر ہمارے صبر کا آپ کہاں تک امتحان لیں گے کیوں کہ یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ شاعر اور سیاست داں کبھی ریٹائر نہیں ہوتے، اور ماشاء اللہ ابھی آپ اسّی برس کی عمر میں اتنے کنکنے ہیں کہ بڑی آسانی سے سنچری کراس کرلیں گے اور اپنا تو اندازہ ہے کہ ابھی پچاس سال تک آپ کی صحت کے کنگورے بھی نہیں ہل سکتے اور میاں خدا کی قسم ہماری تو دعا ہے کہ تم سلامت رہو ہزار برس، لیکن خان میاں ہم نے دیکھا ہے کہ جیسے جیسے شاعر کی عمر بڑھتی جاتی ہے اس میں پختگی آتی جاتی ہے، چاہے وہ شموخاں سیف ہوں یا عابد راشدی، اختر علی اختر ہوں یا واحد پریمی... میاں النگے توڑتے توڑتے آخر آدمی سنگ تراش ہو ہی جاتا ہے‘۔

(حضرت شعری کو ما میں)

گو مصطفیٰ تاج کا یہ انداز بھی ظرافت سے خالی نہیں لیکن انھیں بہر حال اس حقیقت کا خیال رکھنا چاہیے کہ جہاں بیان میں بدنظمی اور ربط کی کمی پائی جاتی ہو وہاں تخلیق کی وحدت کا تاثر ضرور مجروح ہوتا ہے خاص طور پر جب کہ تخلیق کا مقصد کسی کردار کی عکاسی بھی ہو۔ تاج کے لکھے ہوئے خاکوں میں جی ایم نغمی پر ’خلوص کا امام باڑہ‘ اور نجیب رامش پر ’عجب منش‘ اپنے تاثر اور اندازِ بیان کے اعتبار سے شاہکار کا درجہ رکھتے ہیں مگر نہ جانے کس مصلحت سے دونوں مضامین کو اس مجموعہ میں شامل نہیں کیا گیا۔

پیش نظر کتاب میں جن مضامین پر خاکوں کا دھوکہ ہوتا ہے ان میں ’عرفان دادا‘، ’شغو خالہ‘ اور ’ایورگرین قادری‘ ہیں جس میں انھوں نے اعتماد کے ساتھ ایم عرفان مرحوم، شفیقہ فرحت اور عشرت قادری صاحبان کی شخصیت کی مختلف پرتوں کو اتارنے کی کوشش کی ہے اور باتوں باتوں میں بعض پہلوؤں کی نشاندہی بھی کردی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کردار کے سماجی رول اور اس کو طنز کا نشانہ بنانے کے پردے میں اپنے معاشرتی اور سیاسی نظام پر بھی نشتر زنی کر جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر دادا عرفان کا ذکر کرتے ہوئے جب وہ کہتے ہیں:

’دادا آج زندہ ہوتے تو ہم جیسے ادیبوں اور شاعروں کا وجود بھی نہیں ہوتا کیوں کہ ان کی ادبی کسوٹی اتنی کھری تھی کہ سرکاری ملمع بھی اتار دیتی، اگر وہ زندہ ہوتے تو فضل تابش سے اکیڈمی کے معنی پوچھتے پھر یہ ثابت کر دیتے کہ یہ سرکار کی بنائی ہوئی اکیڈمی نہیں بلکہ ’ایک آدمی کی ہے‘۔

اسی طرح شفو خالہ کے اردو سے شغف کو بیان کرتے ہوئے وہ اس زبان اور اس کے بولنے والوں پر بھی چرکے لگا دیتے ہیں یا ’ایورگرین قادری‘ کا خاکہ اڑاتے ہوئے جب وہ مقامی ادب کے ڈاکٹروں اور پروفیسروں کو اس لیے طنز کا نشانہ بناتے ہیں کہ بھوپالیوں پر قلم اٹھانا ان کے نزدیک کسرِ شان ہے تو اس سے ان کا مقصد کسی خاص شخصیت یا اشخاص پر تنقید نہیں ہوتا بلکہ بعض تلخ حقائق کا شگفتہ پیرایے میں اظہار ہوتا ہے۔

اس مجموعے میں شامل تاج کے تمام مضامین ہی اہم ہیں، لیکن ’پوسٹر‘، خالی جنازہ‘، ’محمد علی تاج پیرول پر‘، ’پیٹرو ڈالر‘ اور ’بھاگو بھاگو‘ کافی مقبول ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بھوپالی دم چھلہ، ہانکی اور حضرت شعری کوما میں، وہ مضامین ہیں جن سے لطف اندوز ہونے کے لیے سرزمینِ بھوپال، اس کے ماحول، روایات اور اصطلاحات سے واقفیت ضروری ہے۔

اس کے باوجود یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تاج نے بھوپال میں تخلص بھوپالی کی جگہ پر کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کی صلاحیتوں کے اظہار کو اسی طرح راہ ملتی رہی، تو وہ ہندوستان گیر شہرت کے مالک ضرورت بنیں گے۔

(ماخوذ از مجموعہ مضامین ’تلاش‘ وتاثر‘ عارف عزیز، 1985)

20- گھاٹی بھڑ بھونجہ روڈ، تلیا، بھوپال- 462001
E-mail:arifazizbpl@rediffmail.com
Mob. No. 9425673760

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

مصطفیٰ تاج کی مزاح نگاری پر ایک نظر

عارف عزیز

چالیس سال پہلے کی بات ہے کہ دفتر 'آفتاب جدید' میں ایک منحنی سے شخص بغل میں بیگ دبائے داخل ہوئے اور ادارے کے سینئر رکن قمر جمالی صاحب سے علیک سلیک کے بعد ایک مضمون ان کو دے کر گفتگو میں مشغول ہوگئے۔ یہ راز کچھ دیر بعد کھلا کہ موصوف ہی 'ابراہیم شریف' جیسے اس طنزیہ ومزاحیہ مضمون کے خالق ہیں جس نے سلطانیہ روڈ کے پورے علاقہ میں خصوصاً اور بھوپال کے عام ادبی حلقوں میں عموماً ایک زلزلے کی کیفیت پیدا کردی تھی، یہ کوئی اور نہیں بعد کے مقبول مزاح نگار مصطفیٰ تاج تھے جن کو میری طرح بیشتر اہل محلّہ بابو پتلے کے نام سے جانتے اور بے کار معاش شخص کی حیثیت سے پہچانتے تھے۔ اس کے بعد تو ان کا آنا جانا ہی نہیں بڑھا مضامین کی رفتار میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ بعض مضامین 'آفتابِ جدید' کی زینت بنے تو کچھ مضامین کو ادبی نشستوں میں سننے کا اتفاق ہوا، جس کے بعد بادلِ ناخواستہ یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اکہرے بدن کے متوسط قد وقامت کے، گندمی رنگ اور چہرے پر سنجیدگی سے زیادہ کبیدگی کے آثار لیے اس شخصی وجاہت سے عاری شخص میں ذہانت ہی نہیں حاضر جوابی اور طنز کے ہی نہیں زہرناکی کے بھی جراثیم پائے جاتے ہیں۔'

کچھ عرصے بعد مصطفیٰ تاج مدھیہ پردیش اردو اکادمی کی مہربانی سے اپنی ہلکی پھلکی کتاب 'اب میں کیا کروں' بغل میں دبائے صاحبِ تصنیف قلم کاروں کی صف میں آ کھڑے ہوئے، لیکن مقبولیت وشہرت کی وہ منزلیں جو دوسروں کو طے کرنے میں عرصہ دراز لگتا ہے چند جستوں میں ہی انھوں نے طے کرلی تھیں۔ اس لیے ان کی کتاب کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھتے وقت اس بات کا خطرہ ضرور تھا کہ کہیں میری تنقیدی جراحی سے ان کے بے دام غلام مدّاح ناراض نہ ہوجائیں۔ کیوں کہ آزادی کے اس دور میں بہرحال خواص سے عوام کی اہمیت زیادہ ہے۔ حقیقت خواہ اس کے خلاف ہو پھر بھی دعویٰ یہی کیا جاتا ہے۔

دراصل مصطفیٰ تاج کی طنز ومزاح کی دنیا، خندہ لبی اور تبسم سے آگے فلک شگاف قہقہوں کی دنیا ہے جس میں خواص سے زیادہ عوام دخل رکھتے ہیں، یہی ان کی روز افزوں مقبولیت کا راز بھی تھا کہ انھوں نے طنز و مزاح کو مقامی رنگ میں رنگ کر ایک ایسا شعلہ جوالہ بنادیا جس کے آگے قاری کی نظریں خیرہ ہوجاتی ہیں اور سامع سوچتا بعد میں ہے۔ قہقہے کا فوارہ پہلے چھوڑ دیتا ہے۔ بعض اوقات تو ان کی اس خوبی میں عیب کی حد تک اضافہ ہوجاتا ہے لیکن معترضین کچھ بھی کہیں وہ اپنے کاروبار میں بڑی حد تک کامیاب رہے۔

مصطفیٰ تاج کے 107 صفحات پر مشتمل مجموعے 'اب میں کیا کروں' میں صرف 16 مضامین کا مختصر انتخاب شامل ہے جن میں تین چار مضامین کو خاکوں کے ذیل میں رکھا جاسکتا ہے۔ باقی تیرہ مختلف موضوعات یا شخصیات کے کسی مضحک پہلو پر لکھے گئے ہیں جن کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ تاج قاری کے دل میں گدگدی پیدا کرنے کے فن سے واقف ہیں۔ وہ کبھی زندگی کے کسی خاص رخ کا خاکہ اڑا کر کبھی کرداروں کا لب و لہجہ بدل کر تو کبھی ان سے کوئی لطیفہ جوڑ کر مزاح پیدا کردیتے ہیں۔ مثلاً 'بھاگو بھاگو' کے عنوان سے انھوں نے گیس المیہ کی رات کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اس کی ایک مثال ہے۔ ایک اقتباس پڑھیے:

> 'ہماری بہن صاحبہ نے اپنی اکلوتی بچی کو رش میں سے ڈھونڈھ نکالا اور اپنے سینے سے لپیٹ کر بھاگیں... ایک ٹرک میں سوار ہوکر انجنال ڈیم پہنچ گئیں... وہاں جاکر جب سکون ہوا تو اپنی بچی کو خوب پیار کیا اور ایک چیخ مار کر بے ہوش ہوگئیں کیوں کہ وہ بچی ان کی نہیں تھی۔ گھبراہٹ میں کسی اور کی بچی کو اٹھا کر لے گئی تھیں۔ سنا ہے قیامت کے دن اللہ کے گھر ساری دنیا ایک زبان ہوکر بولے گی اور وہ ہوگی عربی، اس کی ریہرسل ہم نے بھاگو ... بھاگو کی رات دیکھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ہمارے ہندستان کی ایک بھاشا ہے، سندھی ہو کہ پنجابی، مدراسی ہو کہ بنگالی، گجراتی ہو کہ بھوپالی سب ایک ہی بھاشا میں چلا رہے تھے، بھاگو... بھاگو، اگر سارے ہندستان میں گیس پھیل جاتی تو زبان کا مسئلہ بھی حل ہوجاتا۔' (بھاگو... بھاگو)

تاج نے اپنی تحریروں میں اکثر کسی مضحکہ خیز واقعے کے بیان سے مزاح پیدا کیا ہے لیکن بعض جگہ وہ ناموں کی صفتیں ذہن میں رکھ کر اور ان کا استعمال کر کے لطف کو دوبالا کردیتے ہیں جیسے اسی مضمون میں ایک جگہ وہ صرف ناموں کو پکار کر کس طرح تاثر میں اضافہ کرتے ہیں، دیکھیے:

> '..... میں بھاگتی ہوئی گاڑیوں کو دلیپ کمار کے انداز میں روکنے کو دوڑ پڑا اور گڑگڑا کر ان کی خوشامد شروع کردی.... او بھائی، خدا کے واسطے اپنی کار روک دو میری بیوی مر رہی ہے، اسے بچالو۔ اے بھائی! تم پر ارجن سنگھ مہربان ہوں، اے نیتاجی، بھگوان منسٹر بنادے، او ڈاکٹر صاحب میری بیوی مرجائے گی، اے مولانا خدا تمہاری خوراک بڑھادے، اے رہبرِ قوم خدا تمہارے چندے میں برکت دے، لو اب کمالو۔ بھائی۔ اے سیٹھ خدا تمھیں برلا ٹاٹا بنادے، اے سردار جی گرو تمھیں خالصتان دے دے۔ اے نیتاجی تمہارا ایک ووٹ کٹ جائے گا، اے جمالی صاحب گاڑی روک دو، خدا تمہیں اچھا شاعر بنادے، اے ملک صاحب، اے طائرِ ملت، اے وکیل صاحب، اے قائد اعظم... لیکن صاحب اس نفسا نفسی کے عالم میں کون کس کی سنتا ہے نہ کسی کو منسٹر بننے کا ہوش تھا نہ کسی کو قائد ملت....' (بھاگو... بھاگو)

تاج کے اس طرح کے مزاح میں گہرائی خواہ نہ پائی جاتی ہو لیکن یہ ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عوام کے ٹسٹ پر پورے اترنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تخلیقات کے لیے خام مواد بھوپال، یہاں کے مختلف کردار اور بول چال سے لیا ہے اور ان کے جو مضامین شائع ہوئے ان میں طنز ومزاح دونوں کا عنصر حاوی ہے کیوں کہ تاج نے مقامی زندگی اور دوسرے پہلوؤں کو جس ترچھی نظر سے دیکھا یا اس میں جو مضحکہ خیز پہلو تلاش کیے اس سے وہ خود بھی محظوظ ہوئے اور قاری کے لیے بھی سامانِ انبساط فراہم کردیا۔ مگر تاج کی ظرافت نگاری کا سلسلہ تخلص بھوپالی پر جا کر ختم نہیں ہوتا جنھوں نے اپنے فن کی بنیاد صرف بھوپالی زبان، لہجہ اور چند کرداروں پر رکھی تھی، نہ وہ بعض مزاح نگاروں کی طرح فنی تدابیر سے مزاح پیدا کرتے ہیں بلکہ وہ تو کبھی شفیق الرحمٰن کی طرح لطیفے سنا کر ہنساتے ہیں تو کبھی ابنِ انشا کی طرح اِدھر اُدھر کی سنا کر اپنا کام چلا لیتے ہیں، مثلاً:

> 'بھائی صاحب نے میری کمر توڑ دی لیکن خود بھی دھوکہ کھا گئے وہ بھاگتے بھوت کی لنگوٹی سمجھ کر لے گئے لیکن وہ لنگوٹی بھی اتنی چھوٹی ہے جس سے وہ اپنے جسم کا معمولی چھید بھی نہیں چھپا سکتے، ہاں مجھے ننگا کردیا، میں بالکل مفلس ہوگیا۔ باہر کی بات چھوڑیئے گھر میں کریڈٹ خراب ہوگیا، بچوں کو ہماری عاقبت کی فکر لگ گئی، کہتے ہیں بس اب تو اللہ اللہ کیجیے، بیوی بے مصرف سمجھ کر کہہ رہی ہیں تبدیلیِ آب وہوا کے لیے رشتہ داروں سے ملنے پاکستان چلا جاؤں۔ اس کمبخت فلو نے مجھے کہیں کا نہ رکھا اب میں کیا کروں۔ (اب میں کیا کروں)'

مصطفیٰ تاج کو مقامی بولی پر جو عبور حاصل ہے، اس کا استعمال کر کے یا رائج اصطلاحات میں تحریف سے کام لے کر اور کہیں کہیں مبالغے کو اپنا کر بھی وہ اپنا کام نکال لیتے ہیں مگر اس طرح کہ طنز الگ نظر آتا ہے اور مزاح الگ — دونوں پوری طرح شیر وشکر نہیں ہو پاتے — ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
معاون مدیران: منور حسن کمال، سالم فاروق ندوی
Assisistant Editors :
Munawwar Hasan Kamal, Salim Farooq Nadwi
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***